صوبائی اسمبلی پنجاب

عمل قانون سازی و پارلیمانی روایات

سیمینار ۸۷ء

صوبائی اسمبلی پنجاب

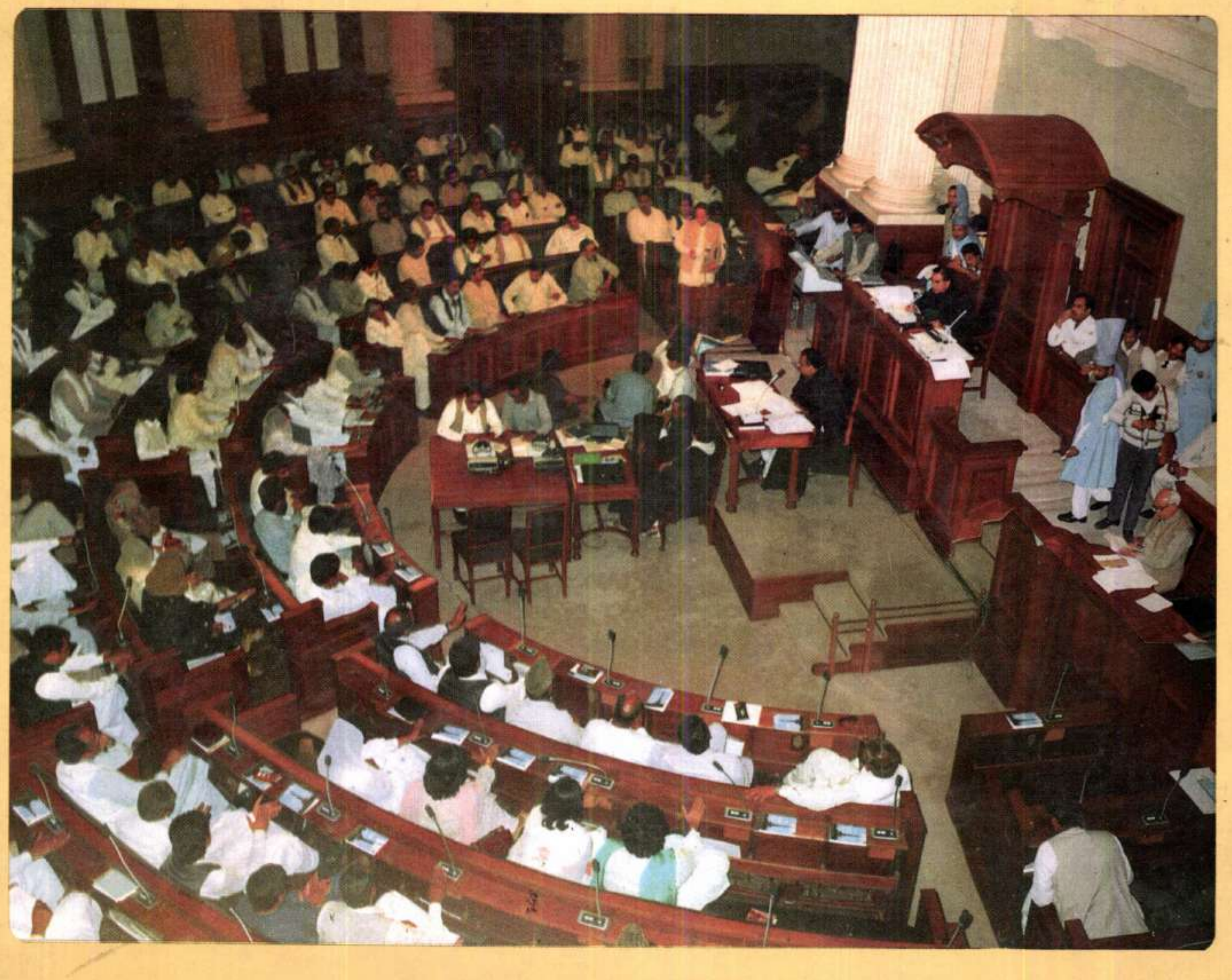

راجہ امان اللہ خان، سپیکر سرحد اسمبلی، میاں منظور احمد وٹو، سپیکر پنجاب اسمبلی، جناب محمد نواز شریف وزیر اعلیٰ پنجاب، راجہ خلیق اللہ خان صوبائی وزیر قانون و پارلیمانی امور اور
میاں مناظر علی رانجھا، ڈپٹی سپیکر پنجاب اسمبلی سٹیج پر تشریف فرما ہیں۔

میاں منظور احمد وٹو سپیکر پنجاب اسمبلی ' جناب سعید احمد منہیس صوبائی وزیر مواصلات و تعمیرات ۔ جناب وسیم سجاد ' وفاقی وزیر انصاف و پارلیمانی امور' میاں خادم حسین وٹو ' ایم پی اے اور
جناب سلیم اختر رانا سیکرٹری پنجاب اسمبلی ' الحمرا ہال میں تشریف لا رہے ہیں۔

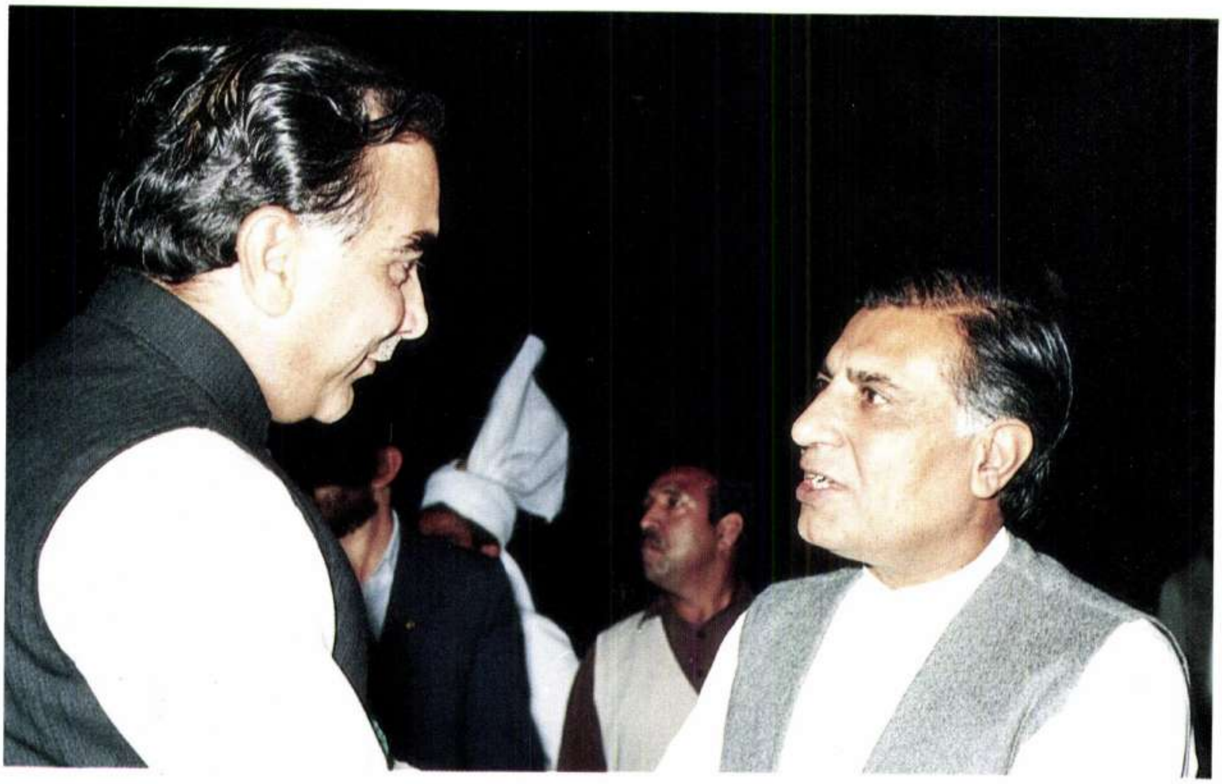

میاں منظور احمد وٹو، سپیکر پنجاب اسمبلی، سردار وزیر احمد جوگیزئی، ڈپٹی سپیکر قومی اسمبلی کو خوش آمدید کہہ رہے ہیں۔

میاں منظور احمد وٹو سپیکر پنجاب اسمبلی، امریکی قونصل جنرل کا استقبال کر رہے ہیں۔

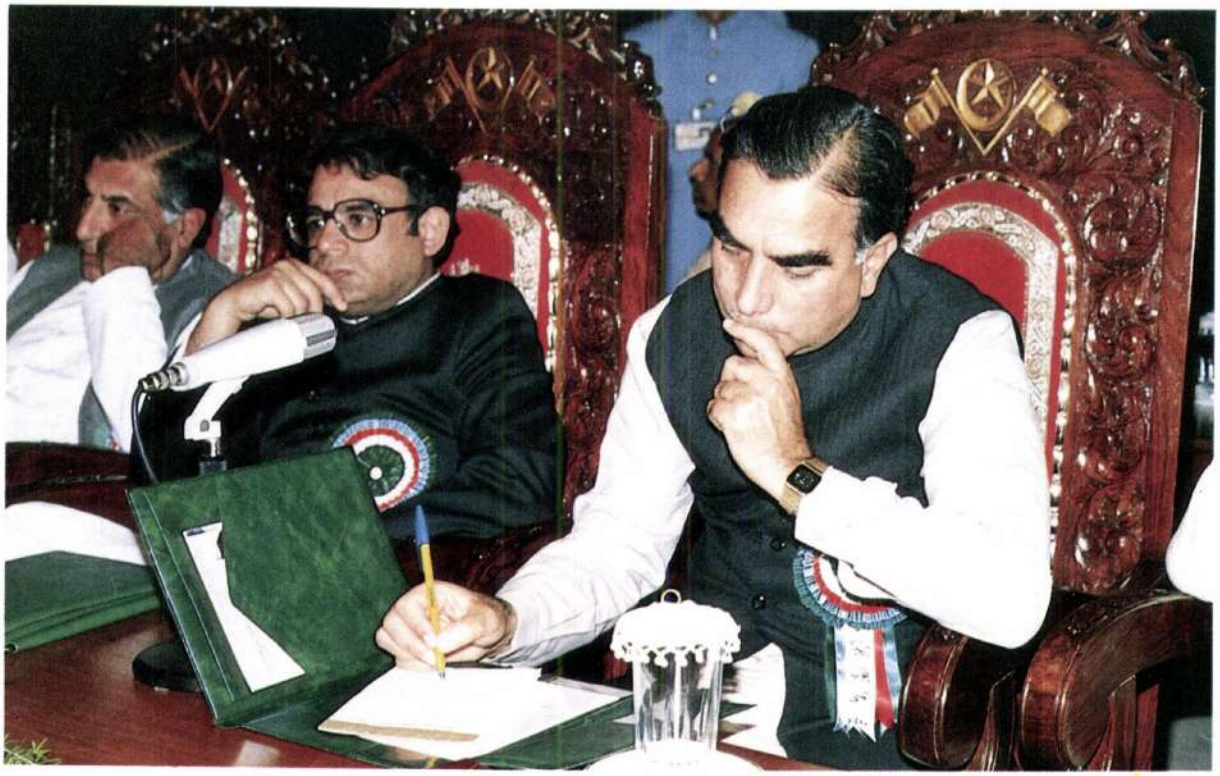

جناب وسیم سجاد وفاقی وزیر انصاف و پارلیمانی امور میاں منظور احمد وٹو سپیکر پنجاب اسمبلی اور سردار وزیر احمد جوگیزئی، ڈپٹی سپیکر قومی اسمبلی سٹیج پر تشریف فرما ہیں۔

سامعین کا ایک منظر

جناب سلیم اختر رانا سیکرٹری پنجاب اسمبلی سیمینار میں سٹیج سیکرٹری کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

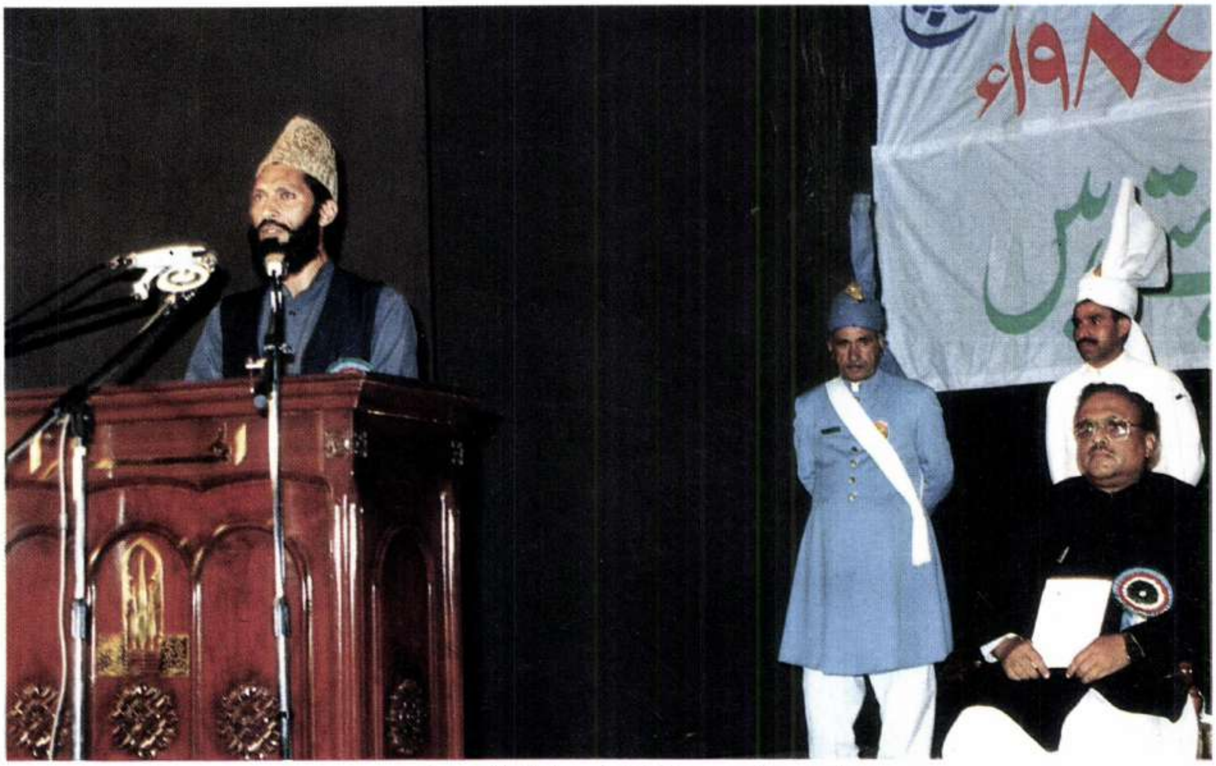

مولوی غیاث الدین ایم پی اے سیمینار کے آغاز میں نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پڑھ رہے ہیں۔

عملِ قانون سازی و پارلیمانی روایات

سیمینار ۸۷ء

صوبائی اسمبلی پنجاب

(صوبائی اسمبلی پنجاب کے زیر اہتمام ۲۴، ۲۵ مارچ ۱۹۸۷ء
کو الحمرا آرٹ سنٹر میں
عمل قانون سازی و پارلیمانی روایات کے موضوع پر
منعقدہ سیمینار کی رپورٹ)

ادارت

سرپرست	میاں منظور احمد وٹو سپیکر صُوبائی اسمبلی پنجاب
نگران	صفدر علی شاہ سیکرٹری صُوبائی اسمبلی پنجاب
تدوین	سعید احمد اسسٹنٹ سیکرٹری صُوبائی اسمبلی پنجاب
تصاویر	آغا رب نواز فوٹوگرافر صُوبائی اسمبلی پنجاب

طباعت نشاط آرٹ پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ، لاھور
پروسیس سکیناکرافٹ (پرائیویٹ) لمیٹڈ، لاھور

دیباچہ

موجودہ دور میں پارلیمنٹ کا کردار انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ پارلیمنٹ ملک میں اقتدار اعلیٰ کی علامت ہے۔ اس کی کارکردگی سے قوم کی سیاسی سمت کا تعین ہوتا ہے۔ لہٰذا میری رائے میں پارلیمنٹ کے ارکان کا عمل قانون سازی اور پارلیمانی روایات سے کماحقہٗ آگاہ ہونا بہت ضروری ہے۔

صوبہ پنجاب کی اسمبلی سکرٹریٹ نے اس سلسلے میں ایک سیمینار کا اہتمام کیا ہے جس میں پڑھے جانے والے مقالات اور اٹھائے گئے نکات کے جوابات پر مشتمل یہ کتاب آپ کے سامنے ہے اور عالمی پارلیمانی تاریخ کے ایک طالب علم کی حیثیت سے یہ کہنا میرے لئے بے جا نہ ہو گا کہ اس سیمینار سے ہماری نئی اور پرانی نسل کے اراکین پارلیمنٹ نے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے اور اس بات کا ثبوت قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے ان اجلاسوں کی کارروائیوں سے ملتا ہے جو اس سیمینار کے اختتام کے بعد منعقد ہوئے اور جن میں ارکان کے پارلیمانی رویئے پہلے سے کہیں زیادہ بہتر محسوس کئے گئے۔

میرے خیال میں ایسے سیمیناروں کا انعقاد مسلسل عمل کی صورت میں ہونا چاہئے تاکہ ہمارے لوگ زیادہ سے زیادہ استفادہ کر سکیں۔ ۱۹۸۵ء کے عام انتخابات کے نتیجے میں غیر جماعتی بنیادوں پر قائم ہونے والی قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے ارکان کی بیشتر تعداد ملک میں جاری جمہوری عمل میں پارلیمنٹ کے کردار کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے اپنے آپ کو بہترین پارلیمنٹرین ثابت کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہے جو ایک مثبت علامت ہے۔

مجھے توقع ہے کہ یہ کتاب پارلیمنٹ اور اسکے کردار سے دلچسپی رکھنے والے ہر شخص کے لئے انتہائی سود مند ہو گی۔

(حامد ناصر چٹھہ)

سپیکر قومی اسمبلی آف پاکستان

نشست اول
۲۴مارچ ۱۹۸۷ء

طریق قانون سازی، قوانین کیسے وضع کئے جاتے ہیں

صفحہ نمبر	مندرجات	نمبر شمار
۱	**خطبہ استقبالیہ** میاں منظور احمد وٹو، سپیکر پنجاب اسمبلی	۱۔
۴	**افتتاحی خطاب** جناب وسیم سجاد، وزیر انصاف و پارلیمانی امور حکومت پاکستان	۲۔
۶	**عمل قانون سازی** پروفیسر سردار محمد اقبال موکل، پرنسپل یونیورسٹی لاء کالج، پنجاب یونیورسٹی	۳۔
۱۶	**عمل قانون سازی و پارلیمانی امور** سردار وزیر احمد جوگیزئی، ڈپٹی سپیکر قومی اسمبلی پاکستان	۴۔
۱۹	**سلسلہ سوال و جواب**	۵۔
	نشست دوم ۲۵مارچ ۱۹۸۷ء **پارلیمانی دستور العمل و قواعد انضباط کار**	
۳۵	**تعارف موضوع** راجہ امان اللہ خان، سپیکر، سرحد اسمبلی	۶۔
۴۰	**پارلیمانی دستور العمل** حاجی محمد سیف اللہ خان رکن قومی اسمبلی پاکستان	۷۔
۴۴	**پارلیمانی دستور العمل ۔ آداب و روایات ایوان** چوہدری محمد انور بھنڈر، سابق سپیکر، مغربی پاکستان اسمبلی	۸۔
۵۰	**سلسلہ سوال و جواب**	۹۔
۶۲	**اختتامی خطاب** جناب محمد نواز شریف وزیر اعلیٰ پنجاب	۱۰۔
۶۶	**اظہار تشکر** میاں منظور احمد وٹو، سپیکر پنجاب اسمبلی	۱۱۔

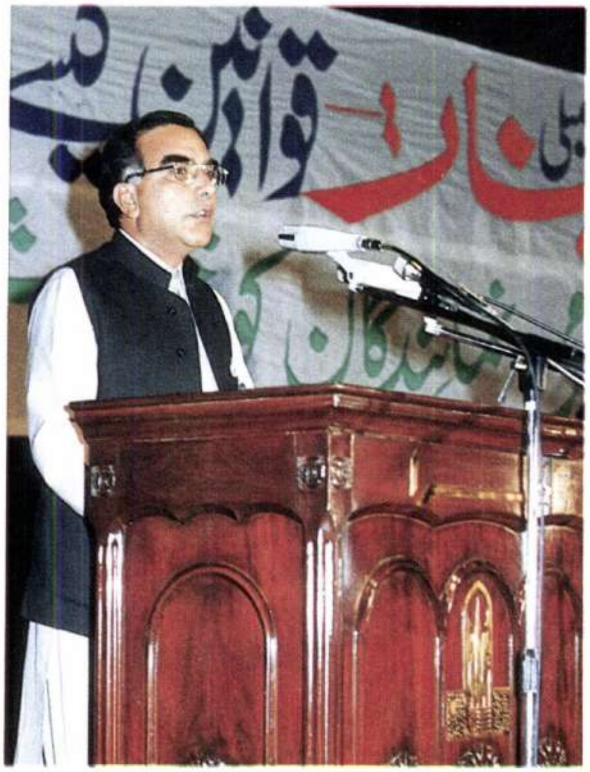

میاں منظور احمد وٹو سپیکر صوبائی اسمبلی پنجاب خطبہ استقبالیہ پیش کر رہے ہیں۔

خطبہ استقبالیہ

میاں منظور احمد وٹو، سپیکر صوبائی اسمبلی پنجاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب وسیم سجاد، وفاقی وزیر قانون و پارلیمانی امور حکومت پاکستان
جناب سردار وزیر احمد جوگیزئی، ڈپٹی سپیکر قومی اسمبلی
جناب راجہ خلیق اللہ، صوبائی وزیر قانون و پارلیمانی امور حکومت پنجاب
جناب میاں محمد افضل حیات، قائد حزب اختلاف پنجاب اسمبلی
جناب میاں مناظر علی رانجھا، ڈپٹی سپیکر پنجاب اسمبلی
معزز وزراء کرام ہز ایکسیلنسی، سنیٹرز، اراکین قومی و صوبائی اسمبلی اور مہمانان معظم السلام علیکم!

یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ آج ملک کے مایہ ناز پارلیمنٹرین، سکالرز، ارباب بست و کشاد اور اہل فکر و دانش ہمارے درمیان موجود ہیں اور ملک کی تاریخ میں اپنی نوعیت کی اس منفرد تقریب میں ہم ایک ساتھ شامل ہیں۔ میں آپ سب کو دل کی گہرائیوں سے خوش آمدید کہتا ہوں۔

سیمینار کی غرض وغایت

وطن عزیز میں جمہوری اداروں کی بحالی ایک نہایت ہی خوش آئند اقدام ہے اور اب ہم سب جمہوریت اور اس کے اداروں کے نشوونما اور استحکام کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ ایک بڑے وقفے کے بعد یہ ادارے قائم ہوئے ہیں لیکن اس کے باوجود ان کی کارکردگی تسلی بخش ہے اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں اراکین اسمبلی قواعد و ضوابط اور پارلیمانی روایات سے بہتر طور پر روشناس ہو رہے ہیں۔ تحمل، بردباری اور رواداری کے جذبوں کے فروغ پانے سے ان کی کارکردگی میں روز بروز نکھار آرہا ہے لیکن کوئی فرد یا ادارہ مکمل ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا اور اس میں ہمہ وقت اصلاح و ترقی کا امکان ناگزیر ہے۔ اس لئے انسان مہد سے لحد تک مسلسل سیکھتا ہے۔ چنانچہ باہمی مشاورت سے ان جمہوری اداروں کی کارکردگی کو خوب سے خوب تر بنانے کی آرزو اس سیمینار کے انعقاد کا موجب بنی ہے۔

معزز خواتین و حضرات! دنیا کے جمہوری ممالک میں قانون سازی کے مختلف طریقے ہیں اور قانون سازی کے عمل کو ہر دور اور ہر معاشرے میں کلیدی اہمیت حاصل رہی ہے۔ پارلیمانی طرز حکومت میں عام طور پر حکومت ایوان میں قانون سازی کی تحریک کرتی ہے اور تقریباً وہی بل قانون کی شکل اختیار کرتے ہیں جن کو اکثریت والی جماعت کی حمایت حاصل ہوتی ہے۔ لیکن اس کے برعکس صدارتی طرز حکومت میں ارباب اختیار نہ ایوان میں بیٹھتے ہیں اور نہ ہی کوئی بل پیش کر سکتے ہیں۔

ہمیں ذاتی طور پر اس بات کا مشاہدہ کرنے کا اتفاق ہوا ہے کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی ایک ریاست نبراسکا اس ملک کی واحد ریاست ہے جس کا صرف ایک ایوان ہے۔ باقی تمام ریاستوں کے دو ایوان ہیں۔ اس ریاست کا کوئی بھی شہری قانون سازی کے عمل میں حصہ لے سکتا ہے بشرطیکہ وہ اپنی تجویز پر اس ریاست کے شہریوں کے مطلوبہ دستخط حاصل کر لے اور اگر وہ مقررہ دستخط حاصل کر لے تو اس ریاست کے آئین کے مطابق اس شخص کی طرف سے پیش کئے جانے والے بل کو ریاست میں ریفرنڈم کے لئے پیش کر دیا جاتا ہے اور اکثریت کی حمایت حاصل ہو جانے پر یہ تجویز قانون کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اس قانون کو ریاست کی اسمبلی منسوخ کر سکتی ہے اور نہ اس میں کوئی ترمیم کر سکتی ہے۔ لیکن ہمارے ہاں یہ ضروری نہیں کہ ہم دوسرے ممالک کے طریق قانون سازی کو ہوبہو اپنائیں البتہ ہم اقوام عالم کے اچھے تجربات سے استفادہ کر سکتے ہیں اور ان کی اعلیٰ روایات اپنا سکتے ہیں۔

معزز خواتین و حضرات! آج ہم یہاں اکٹھا ہوئے ہیں تو ہماری یہ خواہش ہے کہ ہم اس بات کا جائزہ لیں کہ قانون ساز اداروں کی حیثیت سے جو فرائض منصبی ہمارے ذمے ہیں کیا وہ کماحقہ ادا ہو رہے ہیں۔ ہمیں پوری ایمانداری اور خلوص کے ساتھ ان اداروں میں اپنی کارکردگی کا جائزہ لینا اور یہ دیکھنا ہوگا کہ کیا ہم قانون سازی کا مطلوبہ کام سرانجام دے رہے ہیں؟ کیا ہم اعلیٰ پارلیمانی روایات کو نبھا رہے ہیں اور کیا ہم نئی اور عمدہ روایات کو جنم دے رہے ہیں۔ کیا ان اداروں میں ملک و قوم کے احساسات کی صحیح تر جمانی کی جا رہی ہے اور رائے عامہ کے احترام کو ملحوظ خاطر رکھا جا رہا ہے اور اگر کہیں کوئی کمی یا کوتاہی ہے تو کس جگہ ہے جس کو ہم باہمی مشاورت سے

دور کر سکتے ہیں۔ یہاں ہمیں اس بات کو بھی ملحوظ خاطر رکھنا ہے کہ یہ ادارے نو سال کے طویل عرصے کے بعد قائم ہوئے ہیں۔ ہمیں قانون ساز اداروں کو بہتر تربیت کے سانچے میں ڈھال کر ان کی نشوونما کرنا اور انہیں پروان چڑھانا ہے۔

پارلیمانی امور کی تربیت

خواتین و حضرات! ہمارے ملک میں محدود ذرائع کے باوجود ڈاکٹروں اور انجینئروں کی تربیت کے ادارے قائم ہیں، ہمارے پاس سول افسران کے لئے اکادمی اور تربیتی ادارے موجود ہیں علاوہ ازیں ہمارے پاس آرمی کے لئے اور دوسرے اداروں کے لئے بھی تربیت کا حسب توفیق انتظام موجود ہے۔ لیکن ہمارے پاس عوامی نمائندگان کی تربیت کے لئے ایسا کوئی انتظام نہیں۔ ہم عوامی نمائندگان سے بہتر توقعات تو وابستہ رکھتے ہیں اور ہم یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ملک میں حکمرانی کا حق عوامی نمائندوں کو حاصل ہے۔ اور وہی بہتر طرز حکومت ہے جس میں عوامی نمائندے حکومت کرتے ہیں اور ملک کی باگ ڈور سنبھالتے ہیں۔ لیکن کیا ہمارے ملک میں ان کے لئے تربیت کا کوئی انتظام ہے؟ کیا ہماری گورنمنٹ نے ان کی تعلیم اور تربیت کے بارے میں کبھی سوچا ہے اور کیا ہم نے اس کے لئے کوئی بجٹ مختص کیا ہے؟ اس کا جواب یقیناً نفی میں ہو گا، ہمارے ہاں ایسا کوئی اہتمام نہیں ہے تو پھر اور ہے کیا؟ ہمارے پاس ہمارے نمائندگان کے لئے صرف پارلیمینٹ اور اسمبلیاں ہی ایسے ادارے ہیں جو اس ضمن میں ہماری تربیت کا فریضہ سرانجام دیتی ہیں اور جن میں ہماری تربیت ہوتی ہے۔ جہاں پارلیمانی روایات جنم لیتی اور مستحکم ہوتی ہیں اور جہاں ہم قواعد و ضوابط، ایوان کے آداب اور قانون سازی کے عمل سے واقفیت حاصل کرتے ہیں۔ گویا ہمارے پاس صرف یہی ادارے ہیں اور وہ بھی زیادہ عرصہ ہمیں میسر نہیں آتے۔ اس لحاظ سے ہمیں اپنی کوتاہیوں کا اندازہ لگانا ہے تو ہمیں ان محرومیوں کا بھی خیال رکھنا ہو گا اور اس نسبت سے ہمیں اپنی پوزیشن کا اور ہمارے صحافی حضرات کو اور ہمارے (Officials) اہل کاران کو اور اہل وطن کو اس بات کا خیال کرنا ہو گا کہ ہمارے پاس وسائل کیا ہیں اور جو عوامی نمائندے ہیں، ان کی تربیت کے لئے ہم نے کتنے وسائل مہیا کئے ہیں۔ پھر ان چیزوں سے واقفیت اور آگاہی حاصل کرنے کے لئے کیا کیا قدم اٹھائے ہیں۔ گویا ان تمام احوال و کوائف کی روشنی میں ہمیں اپنی کارکردگی کا جائزہ لینا ہے۔

پارلیمانی رپورٹنگ

خواتین و حضرات! میں زیادہ وقت نہیں لینا چاہتا، کیونکہ آج ہم اس لئے اکٹھا ہوئے ہیں کہ ہم اپنے سکالرز کی باتیں سنیں۔ ہم قانون جاننے والوں سے قانون سازی کے طریقے سیکھیں اور پھر اس بات کا ادراک حاصل کریں کہ ہمیں اس عمل کو کس انداز میں، کس حسن و خوبی اور توازن کے ساتھ چلانا ہے۔ میں یہاں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ ہم نے جہاں سینٹ کے ممبران، قومی اسمبلی کے ارکان، سرکاری افسران کو دعوت دی ہے وہاں مدیران جرائد، کالم نویس اور رپورٹر حضرات کو خصوصی طور پر مدعو کیا ہے تاکہ ہم اپنی کارکردگی اور پارلیمانی رپورٹنگ کا بھی جائزہ لیں۔ کیونکہ تربیتی اداروں کے نہ ہونے کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ ہمارے قانون بنانے والے حضرات متاثر ہوتے ہیں ہماری پارلیمانی رپورٹنگ بھی متاثر ہوتی ہے کیونکہ ہماری پارلیمانی رپورٹنگ کرنے والے حضرات ان اداروں میں بیٹھ کر رپورٹنگ کے عمل سے مسلسل دوچار ہوں گے تو ان کو خاطر خواہ واقفیت حاصل ہو گی۔ وہ سیکھیں گے کہ برمحل رپورٹنگ کیسے کی جاتی ہے، ان کا عمل کیسے انجام پاتا ہے؟ ان کو کیا کرنا چاہئے تھا اور وہ کیا کر رہے ہیں۔ ان اداروں کے عدم وجود کے باعث اس ضمن کی ہماری جملہ کارکردگی متاثر ہوئی ہے۔ اس کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے میرا مطلب ہے جہاں ہماری کارکردگی کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے وہاں ہماری پارلیمانی رپورٹنگ کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔ ہمیں تضحیک، ہتک اور نفرت سے بچنا ہے، کیونکہ نفرت اور ہتک سے کبھی محبت کے پھول نہیں کھلتے۔ ہم یہاں اس لئے جمع ہوئے ہیں کہ ہم ایک دوسرے کی کوتاہیوں کو اس انداز میں نہ دیکھیں جس طرح کسی غیر ملکی کو دیکھا جاتا ہے، بلکہ ہم اس حقیقت کو ملحوظ رکھیں کہ وطن عزیز میں ہم اکٹھے بستے ہیں۔ ہمیں ایک دوسرے کی کوتاہیوں اور لغزشوں کا ضرور نوٹس لینا چاہئے لیکن محض عداوت یا ظرافت کے لئے نہیں بلکہ اس انداز میں کہ اصلاح پیش نظر رہے اور اصلاح میں خشکی اور یبوست کی بجائے محبت کی طراوت شامل رہے۔

پنجاب اسمبلی کے بارے میں غیر ملکی سفیر کے تاثرات

خواتین و حضرات! میں نے اکثر جگہ پر اس بات کا ذکر کیا ہے اور آج بھی اس فورم سے یہ ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ ہمیں دنیا کی کئی Parliaments اور ان کی کارروائی دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ ابھی پچھلے دنوں یہاں ایک سفیر صاحب تشریف لائے۔ میرے ساتھ ان کی ملاقات ہوئی اور انہوں نے پنجاب اسمبلی کی کارروائی دیکھی۔ کارروائی دیکھنے کے بعد فرمانے لگے کہ سپیکر صاحب، آپ کے یہاں تو بہت ہی پرامن ماحول ہے، اور آپ کی کارروائی بہت اچھے ماحول میں سرانجام پا رہی ہے۔ میں آپ کو مبارک باد دیتا ہوں۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کے وہاں کیا ہوتا ہے؟ کہنے لگے ہمارے ہاں تو گلاس اور چائے کی پیالیاں چلتی ہیں۔ میں نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ کے ہاں گلاس اور چائے کی پیالیاں بھی ایوان میں جا سکتی ہیں ہمارے ہاں تو اس کی اجازت نہیں ہے تو وہ کہنے لگے کہ نہ صرف جا سکتی ہیں، بلکہ وہاں تو جیسا کہ میں نے بتایا چلتی بھی ہیں۔ اور کتابیں تو اکثر چلتی ہیں۔ اس واقعہ کے بیان کرنے سے آپ میرا مقصد سمجھ گئے ہوں گے۔ ہم اہل مشرق ہزار ترقی پذیر ہونے کے باوصف پہلے ہی سے اپنی تہذیب میں ترقی یافتہ بھی ہیں۔

امریکی ایوان نمائندگان کی مثال

خواتین و حضرات! میں یہاں یہ بات بھی آپ کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے اور میرے ساتھیوں نے امریکہ کے ایوان نمائندگان میں دیکھا کہ کچھ صاحبان اس انداز میں بیٹھے ہیں کہ ڈسک پر اپنے جوتے رکھے ہوئے ہیں اور آرام کر

رہے ہیں۔ ایوان نمائندگان میں لیٹے ہوئے ہیں اور کارروائی چل رہی ہے۔ ہم نے یہ بھی دیکھا کہ ایک صاحب اپنے دو بچوں کو سکول سے اپنے ساتھ ایوان میں لے آئے اور اپنے ساتھ بٹھالیا۔ اور ہم نے یہ بھی دیکھا کہ لوگ ایوان میں سگار پی رہے ہیں۔ اور ہم نے یہ دیکھا کہ وہاں ۔ یہ بات میں تب بتاؤں گا کہ اگر آپ اس کو اپنی کوئی عملی مثال نہ بنائیں۔ کیونکہ الحمداللہ ہماری اپنی ایک تہذیب ہے ہاں تو ہم نے یہ دیکھا کہ ڈپٹی سپیکر صاحب صدارت کر رہے ہیں اور کوئی پندرہ بیس منٹ تک وہ اپنی سیٹ پر کھڑے ہیں اور مسلسل آرڈر' آرڈر پکار رہے ہیں۔ لیکن ایوان ہے کہ ان کی بات سننے کے لئے تیار نہیں۔ دس دس بیس بیس آدمی ادھر ادھر ان کی طرف پیٹھ کر کے کھڑے ہیں۔ اور اپنی باتوں میں مصروف ہیں۔ یہ عمل ہم نے دنیا کے سب سے بڑے ایوان میں دیکھا' جہاں جمہوریت مستحکم ہے اور دو سو سال سے چل رہی ہے۔ لیکن معزز خواتین و حضرات! سب سے بڑی بات جس نے ہمیں حیران کر ڈالا وہ یہ تھی کہ اس سارے معاملے کے متعلق اگلے روز کسی اخبار میں ایک سطر بھی دیکھنے میں نہیں آئی۔ تمام امریکہ کے اخبارات میں ان سب باتوں میں سے کسی ایک چیز کا بھی ذکر نہ تھا۔ امریکہ میں قومی مسائل کی بات کی جاتی ہے اور ان معمولی باتوں کو اخبارات کی زینت نہیں بنایا جاتا اور نہ قارئین کے لئے اس بات کو نمایاں کیا جاتا ہے۔

معزز خواتین و حضرات! ہم جناب وزیر احمد جوگیزئی' ڈپٹی سپیکر قومی اسمبلی کے بے حد ممنون ہیں کہ انہوں نے ہم پر حد درجہ کرم فرمایا اور آج یہاں اس مجلس مذاکرہ میں وہ اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود تشریف لائے۔ موصوف اپنے پارلیمنٹ کے تجربے کی روشنی میں قانون سازی کے عمل کے موضوع پر آپ سے خطاب فرمائیں گے۔ اور جناب سردار محمد اقبال موکل' پرنسپل' لاء کالج نے بھی نہایت مہربانی فرما کر ہماری دعوت قبول فرمائی۔ وہ بھی عمل قانون سازی کے موضوع پر آپ سے خطاب کریں گے۔ اب میں صرف ایک دو باتیں آپ سے عرض کر کے اجازت چاہوں گا۔ پہلی بات ان خطابات کے بعد سوال و جواب کا سلسلہ ہو گا۔ اس سلسلے میں ہمیں نظم و ضبط کو برقرار رکھنا ہے۔ آپ کے پاس مائیکس لگا دیئے گئے ہیں۔ براہ مہربانی ایک وقت میں ایک صاحب سوال کریں۔ میں اس پر یہ فیصلہ دوں گا کہ آپ کا سوال ان دونوں صاحبان میں سے کن کے متعلق ہے۔ پھر وہ اپنی جگہ پر بیٹھے ہوئے آپ کے سوال کا جواب دیں گے۔ ہم کوشش کریں گے کہ اس نشست کو آپ کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید بنایا جائے۔ لیکن' معزز خواتین و حضرات! یہ نشست آپ کی مہربانی اور آپ کی عملی شرکت اور آپ کے نظم و ضبط سے ہی مفید اور بامقصد بن سکتی ہے۔

میں آخر میں آپ کی تشریف آوری پر آپ سب کا بے حد شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اور ساتھ یہ عرض کرتا ہوں کہ اصلاح احوال کے لئے ہم نے یہ ایک حقیری سی کوشش کی ہے۔ ہم سب مل کر اس کو بامقصد اور مفید بنا سکتے ہیں۔ اور میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص لطف و کرم سے اس کوشش میں کامیابی عطا فرمائے۔ آمین۔ بہت بہت مہربانی۔ بہت بہت شکریہ۔

جمہوری تاریخ کا خوش آئند باب

سب سے پہلے میں اپنا یہ فرض سمجھتا ہوں کہ میں جناب سپیکر پنجاب اسمبلی کو دلی مبارکباد پیش کروں کہ انہوں نے وقت کی اہم ترین ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے اس سیمینار کا اہتمام کیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہماری پارلیمانی روایات کے پیشِ نظر اس قسم کے سیمینار کا انعقاد اور اس روایت کا آغاز ہماری جمہوری تاریخ میں انتہائی خوش آئند ہے۔

حاجی محمد سیف اللہ خان
وزیر مذہبی امور حکومتِ پاکستان

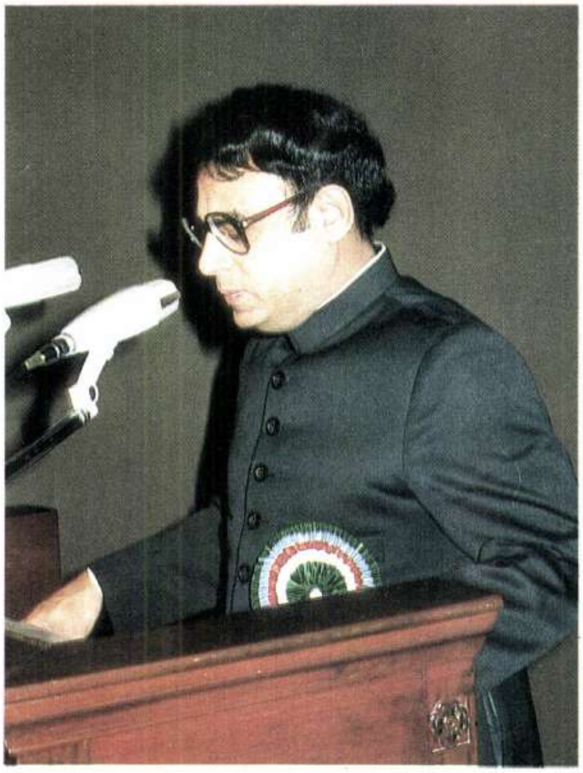

جناب وسیم سجاد وفاقی وزیر انصاف و پارلیمانی امور افتتاحی خطاب فرما رہے ہیں۔

افتتاحی خطاب

جناب وسیم سجاد، وفاقی وزیر انصاف و پارلیمانی امور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب میاں منظور احمد وٹو، سپیکر پنجاب اسمبلی، جناب وزیر احمد جوگیزئی، ڈپٹی سپیکر نیشنل اسمبلی۔ جناب راجہ خلیق اللہ، وزیر قانون پنجاب۔ جناب مناظر علی رانجھا، ڈپٹی سپیکر پنجاب اسمبلی۔ میاں محمد افضل حیات، قائد حزب اختلاف پنجاب اسمبلی۔ معزز اراکین سینٹ، قومی و صوبائی اسمبلی اور معزز خواتین و حضرات!

السلام علیکم!

میں میاں منظور احمد وٹو صاحب کا تہ دل سے ممنون ہوں کہ انہوں نے آج اس پروقار تقریب میں مجھے مدعو کیا ہے۔ اس مجلس مذاکرہ کا اہتمام کر کے انہوں نے ایک اعلیٰ روایات کی بنیاد استوار کی ہے جس کے لئے وہ ہم سب کی مبارک باد کے مستحق ہیں۔ مجھے امید ہے کہ یہ مذاکرہ پارلیمانی روایات کی تفہیم اور ان کی ترویج میں نمایاں کردار ادا کرے گا۔

معاشرہ کے لئے قانون سازی کی اہمیت

معزز خواتین و حضرات! قانون سازی کے عمل کو ہر دور اور ہر معاشرے میں کلیدی اہمیت حاصل رہی ہے۔ کسی بھی عہد میں معاشرتی اور سماجی رشتوں میں تال میل اور ہم آہنگی پیدا کرنے میں قانون سازی نے قوت متحرکہ کا کردار ادا کیا ہے۔ سیاسیات کے ماہرین اور طالب علم اس کے ارتقاء کے مختلف ادوار سے بخوبی واقف ہیں۔ ان ارتقائی مدارج سے گزرنے کے بعد ایک ایسا دور آیا جب قانون ساز اداروں کے قیام کی ضرورت بڑی شدت سے محسوس کی جانے لگی۔ بدلتے ہوئے معاشرتی تناظر میں قانون کی تشریحات اور توجیہات بھی ارتقائی عمل سے گزرتی رہی ہیں۔ قانون ساز ادارے ہمارے جدید ریاستی نظام کا ایک اہم ستون بن کر ابھرے ہیں۔ آج کے دور میں جہاں عدلیہ اور انتظامیہ کا تذکرہ ہوتا ہے وہاں مقننہ کے ذکر کے بغیر ایک آزاد اور خود مختار مملکت کا تصور بھی ممکن نہیں ہے۔

ایک جدید جمہوری معاشرے میں تو قانون ساز اداروں کی اہمیت اور افادیت مزید بڑھ جاتی ہے۔ جمہوریت میں رائے عامہ کا احترام، انتخابات کے ذریعے مقررہ مدت کے بعد تبدیلی، ایسی اہم روایات اسی صورت میں پنپ سکتی ہیں جب ہم قانون کی حکمرانی کو اپنا شعار بنائیں۔ پارلیمان اجتماعی اظہار کا ایک ایسا ادارہ ہے جو ملک اور قوم کے احساسات کا صحیح ترجمان ہوتا ہے۔ اراکین اسمبلی مختلف آراء کے مابین ایک حسن اور توازن پیدا کر کے ایسے قوانین وضع کرتے ہیں جو ہماری معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی ترقی میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

معاشرتی ارتقا اور قانون سازی

معاشرتی ارتقاء، قوانین میں ترامیم اور نئے قوانین کے اجراء کا جواز فراہم کرتا رہتا ہے۔ اراکین اسمبلی کو اس حوالے سے بڑی یکسوئی لگن اور جانفشانی سے نہ صرف سماجی تناظر پر گہری نظر رکھنی ہے بلکہ قانون سازی کی باریکیوں اور موشگافیوں پر ماہرانہ گرفت حاصل کرنے کی بھی ضرورت ہے۔ ایک قانون کو نافذ العمل ہونے سے پیشتر بحث و تمحیص کے کئی مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ رائے عامہ کے لئے تشہیر کے مراحل بھی پیش آتے ہیں۔ اسمبلی کے اندر خواندگیوں کے مدارج سے گزرنا ہوتا ہے۔ غرضیکہ ہر مرحلہ اپنے اپنے فنی اور تکنیکی تقاضے رکھتا ہے۔ قواعد اور روایات کے طویل تجربہ سے استفادہ کر کے ہی ہم موثر قانون سازی کر سکتے ہیں۔ اس سارے عمل سے گزرنے کے لئے ہمیں نہ صرف ضابطے اور طریق کار کی تفاصیل سے واقفیت حاصل کرنا ہوگی بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم جہاں اپنے حقوق کی بات کرتے ہیں وہاں اپنے فرائض سے بھی کماحقہ عہدہ برآ ہونے کی سعی کریں۔ ہمیں چاہئے کہ ہم پارلیمانی روایات و آداب، تحریک التواء، تحریک استحقاق اور نکتہ اعتراض جیسے اہم تصورات کی روح کو سمجھ پائیں اور انہیں صحیح طور پر بروئے کار لائیں تاکہ عوام کی طرف سے ہمیں جو اختیار ملا ہے اس پر پورا اتر سکیں۔

نظریاتی اساس کا تحفظ

معزز خواتین وحضرات!

اسلامی معاشرے میں قانون ساز اداروں پر ایک اور اہم ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اپنے فرائض کی ادائیگی اور قانون سازی کے مراحل کے دوران آپ کو اپنی نظریاتی اساس اور اسلام کے آفاقی اور دائمی اصولوں کو پیش نظر رکھنا ہے۔

آخر میں میں ایک بار پھر عرض کروں گا کہ اس مذاکرے کا اہتمام نہایت خوش آئند امر ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ شرکائے مجلس اس محفل میں ہونے والی گفتگو سے پوری طرح مستفید ہوں گے۔ میں توقع کرتا ہوں کہ سپیکر پنجاب اسمبلی اس سلسلے کو مزید آگے بڑھائیں گے تاکہ قانون ساز ادارے ملک کی ترقی اور خوشحالی میں موثر کردار ادا کر سکیں۔

میں آپ سب کا ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی برکات سے نوازے۔ (آمین)

پاکستان پائندہ باد

اعتراف

میں سیمینار کے شرکاء کی ماہرانہ آراء کے مطابق اپنے ایوان کی کارروائی کو بہتر بنا سکوں گا۔

راجہ امان اللہ خان
سپیکر سرحد اسمبلی

سامعین کا ایک منظر

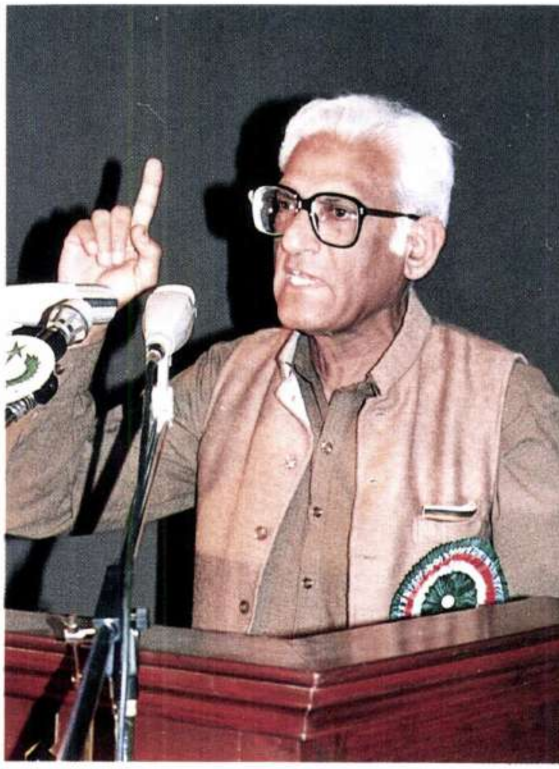

پروفیسر سردار محمد اقبال خان موکل پرنسپل پنجاب یونیورسٹی لاء کالج تقریر فرما رہے ہیں۔

عمل قانون سازی

پروفیسر سردار محمد اقبال خان موکل، پرنسپل پنجاب یونیورسٹی لاء کالج لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاریخی پس منظر

انسانی تاریخ کے ابتدائی ادوار میں یہ تصور کیا جاتا تھا کہ قانون ہمارے رسم و رواج سے اخذ ہو کر بنتا چلا آ رہا ہے۔ ان رسوم و رواج کے علاوہ کچھ بنیادی اصول (Legal Principles) بھی موجود تھے۔ جن پر چلتے ہوئے انسان خود بخود قانونی راہ پر چل نکلتا تھا۔ اگرچہ قانون کی باقاعدہ تشکیل نہیں دی جاتی تھی۔ مگر ان (Legal Principles) کے باوصف انسان اس بات کو شدت سے محسوس کرتا تھا۔ کہ خاص قسم کی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے اور بڑھتے ہوئے مسائل کے حل کیلئے اسے قوانین مرتب کرنے چاہئیں[1] چنانچہ ان قوانین کی تشکیل، ترتیب اور نفاذ کیلئے ایسے ادارے وجود میں لائے گئے جو اس کام کو سرانجام دیتے ہیں، قانون سازی کیلئے ہر ملک میں ایک یا ایک سے زیادہ ایسے ادارے ہوتے ہیں، جو قوانین کی تشکیل کے ساتھ ساتھ موقع آنے پر ان کو تبدیل یا منسوخ کرنے کا کام بھی کرتے ہیں۔ ان اداروں کو کوئی بھی نام دیا جا سکتا ہے۔ ان کو پارلیمنٹ کا نام دیں یا کانگریس کہہ کے پکاریں۔ ان کو مجلس شوریٰ کہیں یا سینٹ کا نام دیں۔ یہ ادارے ملک کو ایک آئین دیتے ہیں۔ اور اس آئین میں دئے گئے اصول اور طریقہ کار کی روشنی میں قانون سازی کا کام کیا جاتا ہے۔ عموماً ایک عام فلاحی مملکت میں قانون سازی کے طریقہ کار کو آئینی شقوں کے ذریعے وضع کرنا ہوتا ہے۔ جبکہ بعض ممالک میں قرار دادوں (Resolution) کے ذریعے بھی قوانین مرتب کئے جاتے ہیں[2]

آج کے جدید دور میں قانون سازی کا کام دو مشترکہ اداروں (Bicameral System) کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ ان اداروں کو قومی اسمبلی اور سینٹ کہا جاتا ہے[3] قانون سازی کے لئے ملک کا آئین ایک اہم کردار ادا کرتا ہے۔ آئین جہاں لوگوں کو فلاح و بہبود کے لئے قانون ساز ایوان کو قانون سازی کا اختیار دیتا ہے وہاں آئین ایسے قوانین بنانے کی ہرگز اجازت نہیں دیتا جو شہریوں کی جان و مال یا آزادی کے خلاف ہوں۔

مروجہ نظام ہائے قانون سازی

جہاں تک قانون ساز اداروں میں اپنے ملک کے لئے قوانین بنانے کا طریقہ کار کا تعلق ہے، یہ طریقہ کار ہر ملک کا ایک دوسرے سے کئی لحاظ سے مختلف ہو سکتا ہے، اور اس اختلاف کا انحصار اس قانون ساز ادارے کی ہیئت و نوعیت اور اسے دئے گئے اختیارات پر ہوتا ہے[4] مثلاً انگلستان کی پارلیمنٹ جو بھی وہ مناسب سمجھے ہر قسم کا قانون بنانے کی مجاز ہے اور ملکہ برطانیہ مجبور ہے کہ وہ پارلیمنٹ کے پیش کئے ہوئے اس بل پر لازماً دستخط کرے۔ برٹش پارلیمنٹ کو غیر محدود اختیارات حاصل ہیں جبکہ امریکہ میں یہ صورت حال نہیں ہے۔ وہاں کی کانگرس کے بنائے ہوئے قوانین کو نہ صرف عدالت میں چیلنج کیا جا سکتا ہے[5] بلکہ صدر کو بھی یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ جس قانون کو مناسب نہ سمجھے اسے (Veto) کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ کانگرس صرف انہی امور و معاملات پر غور کر سکتی ہے جن کا اسے اختیار دیا گیا ہے۔ اسی طرح مرکزی اور صوبائی حکومتوں میں اختیارات کی تقسیم کر کے قانون سازی کے عمل میں ایک ادارے پر پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں۔

بعض ممالک میں یہ ضروری سمجھا جاتا ہے کہ ایسا بل جو بہت پیچیدہ اور تکنیکی قسم کا ہو اور جو قانون سازی کے لئے پارلیمنٹ میں پیش کیا جانا ضروری ہو پیشتر اس کے کہ اسے پارلیمنٹ میں قانون سازی کے لئے پیش کیا جائے، اس پر ایک کمیٹی اچھی طرح غور اور بحث کرے تاکہ اس کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لیا جا سکے، اور اس مقصد کو حاصل کرنے کیلئے ان کمیٹیوں میں بل سے متعلقہ ماہر افراد لئے جاتے ہیں۔ ان کی سفارشات کی بنیاد پر پارلیمنٹ کو بل برائے قانون سازی بھیجے جاتے ہیں۔

---

1) Encyclopedia Britannica Vol. XIII (Translated)
2) Translated from Encyclopedia Britannica Vol. XIII
3) Translated from Encyclopedia Legislation Bicameral System
4) Translated from Legislatures by K.C. Wheare
5) Translated from Legislatures by K.C. Wheare

اسی طرح قوانین کے مسودات تیار کرنے کیلئے ایک خاص استعداد رکھنے والے افراد قانون ساز اسمبلی کی مدد کرتے ہیں۔ اور اس مقصد کے حصول کے لئے لاء سکولز، کالجز اور یونیورسٹیاں خاص کورس پڑھاتی ہیں۔

قوانین کی نوعیت اور قانون سازی کے کام کا انحصار کسی حد تک ارکان اسمبلی پر بھی ہوتا ہے درحقیقت وہ پارلیمنٹ کے لیڈر ہوتے ہیں جو اسمبلی میں پیش ہونے والے بلوں کی سمت درست کرتے ہیں۔ بعض اسمبلیوں میں یہ لیڈر گورنمنٹ کے ہوتے ہیں۔ یعنی برسراقتدار پارٹی سے تعلق رکھتے ہیں، جیسا کہ برطانوی پارلیمنٹ میں ہے۔ ان ممبران کے پیش کردہ بل سرکاری بل کہلاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ برطانوی پارلیمنٹ میں سرکاری بلوں کی بہتات ہوتی ہے۔ یہ شاذ و نادر ہی ہوتا ہے کہ سرکاری بل مسترد کر دیا گیا ہو[1] اس کے برعکس امریکی کانگرسی لیڈر گورنمنٹ سے علیحدہ ہوتے ہیں۔ اسی لئے امریکہ میں گورنمنٹ اپنی مرضی کا بل پاس کروا سکتی ہے اور نہ ہی کانگرس بذات خود بل پاس کر سکتی ھے۔ بلکہ پارلیمنٹ کا صرف وہی گروپ جو با اختیار ہے ان بلوں کو پاس کروا سکتا ہے۔

برطانیہ یا دولت مشترکہ کے دوسرے ممالک میں قانون سازی کی نگرانی حکومت ہی کرتی ہے۔[2]

اسلامی نظام قانون سازی

جہاں تک اسلام کا تعلق ہے اسلامی قوانین خود اللہ تعالیٰ نے وضع کئے ہیں۔ لیکن یہ قانون سازی صرف ان خاص اور نازک معاملات کے سلسلے میں کی گئی ہے، جن کے متعلق اگر انسان قانون وضع کرتا تو شائد انصاف کے تقاضے پورے نہ کر سکتا۔ مثلاً وراثت کے قوانین اور حد کے زمرے میں آنے والے جرائم وغیرہم، اور اللہ تعالیٰ نے ایسے معاملات کی قانون سازی واضح طور پر قرآن مجید میں کر دی ہے باقی معاملات کے متعلق قرآن حکیم میں اصول بیان کئے گئے ہیں۔ اور ان اصولوں کی روشنی میں اپنے لئے قوانین کی تیاری کا کام انسانوں پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ قرآن کریم کے علاوہ احادیث رسول مقبول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بھی قانون کا درجہ رکھتی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے دور میں جس طرح قانون سازی کا کام کیا اور قانون سازی کیلئے جو طریقہ کار اپنایا وہ ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔ قرآن مبین کے اصولوں اور حضور اکرم صلی اللہ و آلہ وسلم کی قانون سازی میں ایک بنیادی اصول جو ہم کو دیا گیا ہے وہ باہمی مشاورت کا اصول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر یہ پابندی عائد نہیں کی کہ وہ صرف صدارتی نظام کے ذریعے یا پارلیمانی نظام کے ذریعے قوانین تشکیل دیں۔ اس بات کا اختیار مسلمانوں کو دے دیا ہے کہ وہ کوئی سا بھی نظام اپنا لیں۔ مگر اس میں باہمی مشاورت کا پہلو ضرور ہو اور جو بھی قوانین بنائے جائیں وہ قرآن و سنت کی روشنی میں مرتب کئے جائیں۔

اسلامی قانون سازی کا اگر بغور جائزہ لیا جائے تو یہ نتیجہ برآمد ہو گا کہ ان کا اصل محرک فکری انقلاب ہے۔ جس نے بالآخر حکومتوں کو مجبور کر دیا کہ وہ

1) Translated from Legislatures by K.C. Wheare
2) Translated from Legislatures by K.C. Wheare

سامعین کا ایک منظر

معاشرتی ضروریات کے پیش نظر قانون میں مناسب گنجائش پیدا کریں۔ مصلحت عامہ کا تقاضہ ہے کہ جس مسئلہ میں عامۃ المسلمین کیلئے سہولت و آسانی موجود ہو، اس کو اختیار کر کے اسے قانون کی حیثیت سے نافذ کر دیا جائے اور ایسے معاملات جن کے متعلق قرآن و سنت میں صریح احکام و اوامر موجود نہ ہوں ان میں اجتہاد سے کام لیا جائے۔ چنانچہ جدید اسلامی قانون سازی میں متعدد احکام ایسے ہیں جو قدیم فقہ میں مستحب کا درجہ رکھتے ہیں۔ اور ان کو جدید قانون سازی میں واجب قرار دے کر عدم تعمیل کی صورت میں سزا مقرر کر دی گئی ہے۔ اور اس کی بنیاد اس اصول پر رکھی گئی ہے کہ مصلحت عامہ کے پیش نظر (جو قرآن و سنت کے خلاف نہ ہو) اولی الامر کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ کسی مستحب فعل کو واجب قرار دے سکتا ہے۔[1]

قانون سازی کا اختیار پوری قوم کو حاصل ہے

انسانی زندگی کے ہر شعبے کو متاثر کرنے والے قانون سازی کے انتہائی اہم عمل کا اختیار کسے حاصل ہے؟ اور کسی مسلمان ملک میں اس امر کی اہلیت کون رکھتا ہے کہ وہ پوری قوم کے مجموعی مسائل کا احاطہ کرے اور "الدین" کے غیر متبدل اصولوں کی روشنی میں اپنے حالات کے مطابق موزوں ترین قوانین مرتب کرے ان سوالات کا واضح جواب یہ ہے کہ قرآنی تعلیمات اور اسوہ رسول کی روشنی میں اسلام میں قانون سازی کا اختیار پوری مسلمان قوم کو حاصل ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ سب مسلمان مل کر ہی اپنے تمام مسائل کا پوری طرح احاطہ کر سکتے ہیں اور وہی قرآن و سنت کی روشنی میں موزوں ترین قوانین بنانے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ اسی لئے قرآن مجید ہمیں اس بات کا پابند کرتا ہے کہ تمام دینی امور میں مسلمانوں کو مشاورت میں شریک کریں۔ اس لئے وشاورھم فی الامر[2] کا حکم آیا ہے۔ یہ حکم خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہوا تھا حالانکہ آپ پر شب و روز وحی کا نزول ہوتا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ خود سید المرسلین اور افضل البشر بحکم خداوندی دنیاوی امور میں امت سے مشاورت کے پابند تھے[3] اور قرآن حکیم کے اس واضح حکم سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ قانون سازی کا اختیار مجموعی طور پر تمام مسلمانوں کو حاصل ہے۔

قوم کی نمائندگی کا طریق کار

قانون سازی کے اس کام کو کس طور پر پایہ تکمیل تک پہنچایا جا سکتا ہے؟ یعنی قانون سازی کے لئے کونسا طریقہ کار مرتب کیا جائے؟ کیا پوری قوم کا ہر فرد اس میں براہ راست حصہ لے؟ یا کسی نمائندہ مجلس قانون ساز کے ذریعے اپنے اس اختیار کو استعمال کرے؟ اگر ایسے حالات ہوں کہ پوری قوم کسی قانون کی تشکیل میں حصہ نہ لے سکے تو کسی ایسے نمائندہ قانون ساز ادارے کی مدد لی جا سکتی ہے، جو اپنے طریقہ کار کے ذریعے سے قوانین کی تشکیل کرے۔ عہد رسالت مآب اور دور خلافت راشدہ کے ابتدائی ایام میں یہ ممکن تھا کہ تمام مسلمان ایک جگہ بیٹھ کر باہمی مشاورت سے قوانین کی تشکیل کر سکیں۔ لیکن بعد میں مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد اور علاقہ کی وسعت کے پیش نظر ایسا کرنا ممکن نہ رہا۔ باقاعدہ قانون ساز ادارے کی داغ بیل خلافت راشدہ کے دور میں ڈالی گئی

باہمی مشاورت کا اصول

اسلام نے انفرادی قانون سازی کا عمل یکسر مسترد کر دیا ہے۔ اس نے جس اجتماعی زندگی کو اجاگر کیا ہے اور اپنے ماننے والوں میں جس قسم کے اتحاد و الفت کی کار فرمائی وہ یعنی اسلام دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کے لئے ناگریز تھا کہ وہ شوریٰ پر پورا زور صرف کرتا۔

قرآن حکیم نے جس طرح قانون سازی کے طریقہ کار کے سلسلہ میں احکامات دئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس انداز اور قول و فعل سے اس کی ترغیب دی اور صحابہ کرام نے جس طرح یہ اصول اپنائے اور کامیاب قانون سازی کی، اس کی مثال دنیا کے کسی بھی قانون ساز ادارے میں قانون سازی کے ضمن میں نہیں ملتی۔

حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا۔

رَاْسُ الْعَقْلِ بَعْدَ الْاِیْمَانِ اَلتَّوَدُّدُ اِلَی النَّاسِ وَمَا یَسْتَنْغِیْ رَجُلٌ عَنْ مَّشْوَرَۃٍ ط [4]

"ایمان کے بعد سب سے بڑی عقل مندی لوگوں سے محبت ہے، اور آدمی مشورہ سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔"

ایک اور جگہ پر فرمایا۔

اِسْتَعِیْنُوْا عَلٰی اُمُوْرِکُمْ ط [5]

"اپنے کاموں میں باہمی مشورے سے مدد حاصل کرو"

حضرت علیؓ کا قول ہے کہ "مشورہ آدمی کا بہترین معاون ہے اور بری ہے وہ طاقت، جس سے آدمی استبداد پر اتر آئے۔"[6]

قانون سازی کے طریقہ کار ہی کے بارے میں حضرت ابو بکر صدیقؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ۔ "قطعی فیصلہ مشورہ کے بعد ہونا چاہئے اور طویل مباحثہ کے بعد کسی بات کو آخری شکل دینی چاہئے۔"[7]

۱۔ مضمون مسلم ممالک میں اسلامی قانون سازی کی تحریکیں از تنزیل الرحمٰن (ماخذ فکر و نظر)
۲۔ القرآن ۳۔ ۱۵۸
۳۔ ماخذ فکر و نظر مضمون "اسلام میں قانون سازی کے بنیادی اصول" از محمد یوسف گواریا
۴۔ سن الکبریٰ للبیہقی
۵۔ المدخل لابن الحاج المتوفی ۷۳۷ھ
۶۔ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃
۷۔ سنن دارمی باب التورح عن الجواب فی مالیس

حاکم کادائرہ اختیار

اسلامی مملکت میں امیر' قانون سازی کے معاملہ میں نہ تو تاج برطانیہ کی طرح بے دست و پا حاکم ہوتا ہے' اور نہ ہی اسے ہٹلر کی طرح آمر مطلق کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ اسلام میں قانون سازی کے تمام معاملات اور طریقہ کار کو اس طرح کی افراط و تفریط سے ہٹا کر ایک متوسط راہ اختیار کی گئی ہے۔ اسلام نہ تو کسی ایک شخص کے ہاتھ میں ملک و قوم کی جان و مال دیتا ہے کہ وہ جس وقت چاہے قوم کی ہستی کو تہس نہس کر دے اور اس پر گرفت کرنیوالی کوئی بالادست طاقت نہ ہو۔ اور نہ وہ یہ پسند کرتا ہے کہ حاکم برائے نام تخت سلطنت پر بت بنا بیٹھا رہے۔ اور اقتدار کی کنجیاں کسی خاص فرد یا افراد کے ہاتھ میں ہوں۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ حکومت و اقتدار کا اصل مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اور قانون سازی اور حکمرانی کا حقدار بلا شرکت غیرے وہی ہے۔ جو گروہ اللہ کے اس اقتدار کو تسلیم کرتا ہے اس گروہ کا ایک فرد اللہ تعالیٰ کے اس حق کا امین اور پاسبان قرار پاتا ہے اور اس پر یہ لازم ہو جاتا ہے کہ وہ قانون سازی کیلئے ایسا طریقہ کار اور ایسے اصول مدنظر رکھے جو قرآن پاک اور سنت نے واضح کر دئے ہیں۔

اسلامی قانون سازی کے تین نمایاں اصول ہیں۔ ایک یہ کہ اسلامی مملکت باہمی صلاح مشورے سے کام کرے' دوسرا یہ کہ اسلامی ریاست کا سربراہ اتنا ذمہ دار با اثر اور مقتدر شخص ہونا چاہئے کہ وہ نہ صرف امت کی اصلاح و فلاح کیلئے بنائے گئے قوانین کی منظوری دے اور انہیں نافذ کروائے بلکہ لوگوں کو ایسی غلط راہ پر گامزن ہونے سے باز بھی رکھے جو ہلاکت و تباہی کا باعث ہو سکتی ہے۔ علاوہ ازیں اسلامی مملکت کا صدر عوام کے روبرو جواب دہ بھی ہے۔ اسی وجہ سے وہ نہ تو کوئی من مانا قانون بنا سکتا ہے اور نہ ہی ایسا کوئی قدم اٹھا سکتا ہے جو مملکت کے حق میں ضرر رساں اور تباہ کن ثابت ہو۔

قانون کا وجود ازل سے ہے

مندرجہ بالا بحث سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ ہر ملک کی بقا اور استحکام کا مدار قانون پر ہے۔ کوئی ملک اس وقت تک نہ باقی رہ سکتا ہے اور نہ منظم' جب تک اس کی پشت پر ایک زبردست قانون نہ ہو۔ وہ ملک جس کا کوئی قانون نہیں ہوتا وہ ملک نہیں' بلکہ انتشار اور افتراق کا مجموعہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قانون اس وقت سے موجود ہے جب سے یہ کائنات موجود ہے۔

اولین مجلس شوریٰ اور مکالمہ تخلیق آدم

ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ قانون کے لئے مجلس مقننہ کا وجود ناگزیر ہے۔ یہ مجلس قانون ساز اسی وقت سے موجود ہے جب سے یہ دنیا بنی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب تخلیق آدم کا منصوبہ بنایا تو سب سے پہلے اپنی پارلیمنٹ سے اس سلسلہ میں مشورہ طلب کیا۔ اس مشورہ کا ذکر' قرآن مجید کے پہلے پارے کی سورۃ البقر کی آیات نمبر ۳۰ تا ۳۴ میں موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ

اور جب فرمایا تیرے رب نے ملائکہ سے یقیناً میں مقرر کرنیوالا ہوں

فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ط قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ

زمین میں ایک خلیفہ انہوں نے کہا کیا تو مقرر کرے گا اس میں وہ شخص جو

يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ج وَنَحْنُ نُسَبِّحُ

فساد کرتا ہے اس میں اور گراتا ہے خون اور ہم تسبیح کرتے ہیں

بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ط قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ *

تیری تعریف کے ساتھ اور تقدیس بیان کرتے ہیں خاص تیری فرمایا یقیناً میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ

اور علم دیا آدم کو تمام ناموں کا کل اس کے نظم و نسق کا پھر پیش کیا ان کو

عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ لا فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ

سامنے ملائکہ کے پس فرمایا بتاؤ تم مجھے ناموں کے ساتھ وہ لوگ

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ *

اگر ہو تم سچے۔

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ط

انہوں نے عرض کیا پاک ہے تو نہیں کوئی علم البتہ ہمیں مگر وہ جو علم دیا تو نے ہمیں'

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ * قَالَ يٰٓاٰدَمُ

یقیناً تو تو ہے علم والا حکمت والا۔ فرمایا اے آدم

اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ج فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ لا

تو بتادے وہ لوگ ان کے ناموں کے ساتھ پس جب بتادئے وہ لوگ انکے ناموں کے ساتھ۔

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ

فرمایا کیا نہیں کہا تھا میں نے تمہیں یقیناً میں جانتا ہوں غیب کو

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لا وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا

آسمانوں کے اور زمین کے اور جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ

كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ *

ہو تم چھپاتے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا

اور جب فرمایا ہم نے ملائکہ سے تم اطاعت کرو آدم کی پس انہوں نے اطاعت کی۔

اِلَّآ اِبْلِيْسَ ط اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ *

سوائے ابلیس کے' اس نے انکار کیا اور تکبر کیا' اور وہ تھا کافروں میں سے۔

استصواب اور حق استرداد

ان آیات سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اپنی پارلیمینٹ سے اس باب میں مشورہ طلب کیا، فرشتوں نے کہا کہ انسان کی تخلیق میں کوئی فائدہ نہیں۔ یہ فتنہ وفساد کا موجب ہو گا اور دنیا کو تباہ وبرباد کر کے رکھ دے گا۔ اس لئے کہ اس کے مزاج میں فساد ہی فساد ہے۔ اگر دنیا کو آباد کرنا ہی مقصود ہے تو ہماری خدمات حاضر ہیں۔ ہم اس کا نظم ونسق بھی چلائیں گے اور آپ کی تسبیح وتقدیس بھی کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے مجلس کی رائے کو مسترد کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمہارا اندیشہ غلط ہے۔ پھر جو مقصد میرے پیش نظر ہے۔ اس کی صلاحیت تم میں موجود نہیں ہے۔ تخلیق آدم سے مقصد صرف تسبیح وتقدیس ہی نہیں ہے اس لئے کہ اس کام کیلئے تم سے بہتر کوئی نہیں۔ میرا مقصد دنیا کے نظم ونسق کو چلانا ہے اور اس کی تم میں صلاحیت نہیں۔ بہرحال اس کے لئے ایک امتحان ہو گا۔ جو امتحان میں کامیاب ہو گا وہی اس کا اہل قرار دیا جائے گا۔ جب امتحان ہوا تو فرشتوں نے سوالات دیکھتے ہی اپنی لاعلمی کا اعتراف کر لیا۔ انسان سے جب وہی سوالات کئے گئے تو اس نے نہ صرف ہر سوال کا نہایت واضح اور تسلی بخش جواب دیا بلکہ ہر ایک کی حکمت اور اس کے طریقے نہایت محکم انداز میں پیش کئے۔ پھر چونکہ اس دنیا کے نظم ونسق کو چلانے کیلئے، کائنات کی ہر چیز کا تعاون درکار تھا، اس لئے ہر ایک سے اس کا اقرار لیا۔ سب نے اپنے مکمل تعاون کا یقین دلادیا لیکن ان میں ایک ایسا فرد بھی تھا جس نے سرکشی کا اظہار کیا۔ اس نے نہ صرف عدم تعاون کا اظہار کیا بلکہ کھلم کھلا اس کی مخالفت کا اعلان کیا۔ وہ تھا ابلیس۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ ایک اعلیٰ اور معیاری ریاست کیلئے چار باتیں ناگزیر ہیں (۱) حاکم (۲) مجلس مشاورت (Parliament) (۳) استصواب (۴) حق استرداد Veto

حق استرداد کے استعمال کی شرائط

ہر فرمانروا کے لئے ضروری ہے کہ وہ حکم صادر کرنے سے پہلے ہر معاملہ میں مجلس سے مشورہ طلب کرے یعنی استصواب کرے۔ اگر مجلس قانون ساز کا فیصلہ مجوزہ قانون کے حق میں ہو تو تسلیم کر لینا چاہئے۔ لیکن اگر فیصلہ اس کے خلاف ہو تو حکمران کو اختیار ہے کہ وہ مجلس کے فیصلے کو مسترد کر دے۔ لیکن یہ امر قابل غور ہے کہ حکمران کو بغیر کسی جواز کے مجلس کے فیصلے کو مسترد کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اپنی تجویز (Resolution) کو دلائل سے حق بجانب ہونا ثابت کرنا پڑے گا۔ اور اراکین مجلس کو دلائل سے مطمئن کر کے اعتماد میں لینا ہو گا۔ بغیر کسی وجہ کے حکمران کو کوئی حق نہیں کہ وہ مجلس کی کسی رائے کو مسترد کر دے۔ ہر فیصلہ اکثریت کی تائید اور حمایت سے ہو گا۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں نہ صرف، حکومت کے نظم ونسق کو چلانے کے لئے اپنا طریقہ کار بیان کیا ہے بلکہ وشاورھم فی الامر اور وامرھم شوریٰ بینھم کے ذریعہ اس طریقہ کار کو اختیار کرنے کا حکم بھی صادر فرمایا ہے۔

ملکہ سبا کی مثال

اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے ملکہ سبا کی حکومت کو بطور ایک معیاری حکومت کے، مثال کے طور پر پیش کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ملکہ سبا کے پاس حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک خط موصول ہوا۔ وہ خط اعلان جنگ تھا۔ ملکہ سبا نے کوئی حکم صادر کرنے سے پہلے یہ خط ارکان پارلیمنٹ کے سامنے پیش کیا۔ خط چونکہ الٹی میٹم کی نوعیت کا تھا۔ تمام ارکان پارلیمنٹ، خط دیکھتے ہی مشتعل ہو گئے۔ تمام اراکین پارلیمنٹ نے متفقہ طور پر جنگ کے حق میں ووٹ دیا۔ ملکہ سبا نے نہ صرف ان کی رائے کو مسترد کر دیا بلکہ پارلیمنٹ کے سامنے جنگ کے خلاف ایک بڑی مدلل اور جامع تقریر کی۔ ملکہ نے کہا "تم جنگ کی باتیں کرتے ہو حالانکہ دنیا کو امن کی ضرورت ہے۔ یاد رکھو! جنگ کسی مسئلہ کا حل نہیں ہے۔ جنگ سوائے تباہی اور بربادی کے کچھ نہیں لاتی۔ جنگ کی بات نہ کرو۔ بلکہ ہر معاملہ کو باہمی گفت وشنید کے ذریعہ حل کرنے کی کوشش کرو۔ میں جنگ کی رائے کو مسترد کرتی ہوں اور اس کے متبادل کا خود آغاز کرتی ہوں تاکہ دنیا کے سامنے ایک معیاری اور اعلیٰ حکومت کا نمونہ ہمیشہ کے لئے پیش کر دوں۔

قَالَتْ يٰاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّىْ اُلْقِىَ اِلَىَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ *
کہا ملکہ نے اے سردارو یقیناً بھیجی گئی ہے میری طرف ایک چھٹی معزز
اِنَّه مِنْ سُلَيْمٰنَ وَ اِنَّه بِسْمِ الله
یقیناً وہ طرف سے ہے سلیمان کے اور یقیناً وہ نام سے ہے اللہ
الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لا * اَلَّا تَعْلُوْا عَلَىَّ وَاْتُوْنِىْ
بڑے مہربان نہایت رحم کرنے والے کے۔ یہ کہ مت سرکشی کرو میرے خلاف اور آجاؤ میرے پاس
مُسْلِمِيْنَ ج * قَالَتْ يٰاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِىْ فِىْ
فرمابردار ہو کر۔ کہا ملکہ نے اے سردارو مشورہ دو مجھے
اَمْرِىْ ج مَاكُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى
معاملہ میں میرے نہیں میں فیصلہ کرتی کسی معاملہ کا حتی کہ
تَشْهَدُوْنِ * قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا
تم موجود ہو میرے پاس۔ کہا انہوں نے ہم صاحب قوت ہیں اور صاحب
بَاْسٍ شَدِيْدٍ لا وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِىْ مَاذَا
جنگ جو ہیں سخت، اور حکم ہے تیری طرف سے پس دیکھ لے کہ کیا
تَاْمُرِيْنَ * قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا
تو حکم کرتی ہے۔ کہا ملکہ نے یقیناً بادشاہ جب داخل ہوتے ہیں
قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً
کسی بستی میں تو برباد کر دیتے ہیں اسے اور کرتے ہیں عزت والوں کو اس کے ذلیل
وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ * وَاِنِّىْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ
اور اسی طرح وہ کرتے ہیں۔ اور یقیناً میں بھیجنے والی ہوں ان کے طرف

بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌ م بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿

تحائف پھر دیکھوں گی کہ کیا (جواب) واپس لاتے ہیں ایلچی۔

(سورۃ النمل۔ آیت ۳۵)

ملکہ سبا نے اپنا حق استرداد استعمال کرتے ہوئے پارلیمنٹ کی رائے کو رد کر دیا لیکن بلاجواز اور محض طاقت کے بل بوتے پر نہیں بلکہ بڑے محکم اور ٹھوس دلائل کے ساتھ۔ اس سے معلوم ہوا کہ حکمران کو پارلیمنٹ کا فیصلہ رد کرنے کا حق ہے، لیکن ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ اس حق کا استعمال دلائل کی روشنی میں ہو۔

مجلس قانون ساز اپنا طریق کار وضع کرنے کی مجاز ہے

ان آیات سے معلوم ہوا کہ ہر حکومت کے لئے ،ایک مجلس قانون ساز کا ہونا ضروری ہے۔ مجلس قانون ساز کا طریقہ کار نہیں بنایا گیا۔ اس لئے کہ حالات کے اعتبار سے ان میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ ہر ملک اپنے حالات کے اعتبار سے قانون سازی کے طریقہ کار میں بالکل آزاد اور خود مختار ہے۔ البتہ وہ تمام بنیادی اصول بتا دیئے جن پر قانون سازی کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ مثلاً سچ ایک اخلاقی فعل ہے جھوٹ انصاف کے لئے سم قاتل اور سخت تباہ کن ہے۔ وہ فیصلہ جو جھوٹ پر مبنی ہو عدل نہیں بلکہ ظلم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴿

اور بچو کہنے سے جھوٹ۔ (سورۃ الحج۔ آیت نمبر ۳۰)

نہ صرف جھوٹ بولنا بلکہ گواہی کو چھپانا اور گواہی سے گریز کرنا بھی بہت بڑا اخلاقی جرم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَلَاتَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ط

چاہئے کہ ڈرے اللہ رب سے اپنے ،اور مت تم چھپاؤ گواہی کو اور

وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّه اٰثِمٌ قَلْبُه ط وَاللهُ

جو کوئی چھپائے گا اسے تو یقیناً وہ گنہگار ہے دل اس کا اور اللہ

بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿

اسے جو تم عمل کرتے ہو جاننے والا ہے۔ (سورۃ البقرۃ۔ آیت نمبر ۲۸۳)

مذہب ،اخلاق اور قانون کو علیحدہ نہیں کیا جا سکتا

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں مذہب اور اخلاق، قانون سے کوئی علیحدہ چیز نہیں بلکہ یہ تینوں آپس میں ایک دوسرے کے لئے لازم اور ملزوم ہیں۔ ان کو ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ اسلامی نقطہ نظر سے وہ قانون جس میں مذہب اور اخلاق کی روح کارفرما نہیں وہ قانون نہیں بلکہ ذہنی عیاشی اور لاقانونیت کا سرچشمہ ہے۔ قانون کا مقصد دنیا میں امن، آزادی اور انصاف کا قیام ہے۔ وہ قانون جس میں مذہب اور اخلاق کی روح موجود نہیں کبھی بھی ان مقاصد کے حصول میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اگر دنیا میں حقیقی امن، آزادی اور انصاف کا قیام مقصود ہے تو ان تینوں عناصر کو باہم یکجا کرنا ہو گا۔

اسلامی قانون کی بنیاد توحید ہے

اسلام میں قانون کی بنیاد لا الہ الا اللہ پر استوار کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

شَهِدَ اللهُ اَنَّه لَآ اِلٰهَ اِلَّا

گواہی دی اللہ نے یقیناً وہ نہیں کوئی معبود مگر

هُوَ وَالْمَلٰئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا م

وہ اللہ اور فرشتوں نے گواہی دی اور اہل علم نے قائم ہو کر

بِالْقِسْطِ ط لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَالْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ط ﴿

انصاف پر نہیں کوئی معبود مگر وہ غالب حکمت والا۔

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللهِ الْاِسْلَامُ (سورۃ آل عمران۔ آیت نمبر ۱۷)

اسلام میں قانون کا مقصد صرف قیام قانون نہیں بلکہ توحید کا قیام ہے۔ توحید کا مطلب صرف یہ نہیں کہ آپ انگشت شہادت کو بلند کر کے کہہ دیں کہ اللہ ایک ہے۔ یہ تو تمام دنیا تسلیم کرتی ہے۔ توحید کا مطلب ہے ایک اللہ ،ایک انسان اور قانون اور قانون کا مقصد دنیا میں نظام عدل کا قیام ہے۔ یعنی امن، آزادی اور انصاف۔ ایک معیاری حکومت کے لئے ضروری ہے کہ اس کا حکمران عزیز اور حکیم ہو یعنی (Powerful) ہو۔ پھر ہمدردی اور شفقت و محبت کا پیکر ہو اور ساتھ ہی عدل کی پوری صلاحیت رکھتا ہو ان صفات کا حامل صرف اللہ ہے۔ اس لئے ہر انسان کے لئے ضروری ہے کہ اس کی اطاعت کو اپنے اوپر لازم کر لے۔ ان ہی حقائق کی طرف اللہ نے سورۃ فاتحہ میں اشارہ فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿

شروع نام سے اللہ کے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ط ﴿

بس تعریف اللہ کے لئے ہے جو پالنے والا سب جہانوں کا

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لا ﴿ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ط ﴿

بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔ مالک ہے دن انصاف اور جزا کا۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴿

تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔

الحمدللہ

تمام تعریف اللہ کے لئے ہے مطلب یہ ہے کہ تمام طاقتوں کا سرچشمہ اللہ کی ذات ہے۔ بالخصوص وہ ربوبیت ،رحمت اور عدل کا پیکر ہے۔ اس لئے اس کائنات کا مطلق العنان حکمران ،وہی اور صرف وہی ہو سکتا ہے اور وہی ہے۔ جب حقیقت یہ

ہے تو ہر انسان پر اس کی اطاعت اور بندگی ضروری ہے۔ ایاک نعبد وایاک نستعین سے اس حقیقت کا اظہار مقصود ہے۔

امیر کی اطاعت لازم ہے۔

اس لئے اسلام میں ضروری ہے کہ حکمران میں یہ تمام باتیں موجود ہوں۔ اس لئے کہ وہ زمین پر اللہ کا خلیفہ اور نائب ہے اور جب ایسا خلیفہ میسر ہو تو ہر ایک انسان کے لئے اس کی اتباع لازم اور ضروری ہے۔ کسی انسان کے لئے جائز نہیں کہ اس کی اتباع سے انکار کرے جب تک کہ وہ اسلام کے بنیادی قوانین سے انحراف نہ کرے۔ اگر انحراف کرے تو ایسی صورت میں اس کی اتباع لازم نہیں۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا۔

اللہ کی نافرمانی کی صورت میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔ چونکہ اسلام میں قانون، مذہب اور اخلاق ایک ہی ہیں۔ اس لئے قانون کے تمام بنیادی اصول طے شدہ اور مقرر ہیں۔ ان میں سے کسی سے انحراف کی اجازت نہیں۔

اسلامی قانون کے مآخذ

اسلام میں قانون کے سرچشمے چار ہیں۔ قرآن۔ حدیث۔ اجماع اور قیاس۔

قرآن

(۱) قرآن سے مقصود اللہ کی کتاب قرآن مجید، فرقان حمید ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بواسطہ جبرئیل علیہ الصلوۃ والسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی۔ ہر فیصلے میں اس کی پابندی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

(اول) إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرٰكَ اللهُ ط

ترجمہ ...... یقیناً نازل کی ہم نے تیری طرف کتاب سچائی کے ساتھ تاکہ قانون بنا سکے تو اس کے مطابق کہ حکم دیا اللہ نے (النساء ۱۰۵ ر ۴)

(دوم) وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ط* وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ *

ترجمہ ..... اور جو کوئی قانون نہ بنائے مطابق اس کے جو نازل کیا اللہ نے تو وہی لوگ ہیں کافر۔ انکاری اور جو کوئی قانون نہ بنائے مطابق اس کے جو نازل کیا اللہ نے تو وہی لوگ ہیں ظالم۔

(سوم) وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ *

ترجمہ ..... اور جو کوئی قانون نہ بنائے مطابق اس کے جو نازل کیا اللہ نے تو وہی بد کار ہے۔

ان آیات سے یہ واضح ہے کہ ہر انسان قانون الٰہی کا پابند ہے اور کسی شخص کو اس سے سرمو انحراف کی اجازت نہیں

سنت

(۲) اس کے بعد سنت ہے۔ سنت سے مراد آں حضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اقوال اور افعال ہیں۔ ہر مسلمان ان کا بھی پابند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ
پس قسم ہے تیرے رب کی نہیں مومن ہوں گے وہ جب تک کہ فیصلہ نہ کروائیں تجھ سے
فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْ
اندرونی ہیں جو تنازعات باہمی ان کے پھر نہ پائیں وہ
أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا *
دلوں میں جو تنگی اس سے جو فیصلہ کیا تو نے بلکہ تسلیم کر لیں خوشی سے تسلیم کرنا۔
(سورۃ النساء آیت ۶۴)

وَمَا آتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا
اور جو دے تمہیں رسول تو لے لو اسے اور جس چیز سے
نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ج وَاتَّقُوا اللهَ ط إِنَّ
وہ منع کرے تمہیں اس سے پس باز آ جاؤ اور ڈرو اللہ سے یقیناً
اللهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ *
سخت عذاب دینے والا ہے۔
(سورۃ الحشر آیت نمبر ۷)

اجماع

(۳) اجماع۔ اسلامی قانون کا تیسرا منبع اجماع ہے۔ اجماع لغت میں اتفاق کو کہتے ہیں اور اصول فقہ کی اصطلاح میں مسلمانوں کے مجتہدین کا ایک زمانہ میں کسی مسئلہ پر اتفاق کر لینا اجماع ہے۔ اجماع بھی حجت ہے اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا۔

لَا تَجْتَمِعُ أُمَّتِيْ عَلَى الضَّلَالَةِ

میری امت گمراہی پر کبھی اتفاق نہیں کرے گی۔ ایک اور حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا۔

يَدُ اللهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ فَمَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ

جماعت کو اللہ تعالیٰ کی تائید و حمایت حاصل ہے۔ جو جماعت سے علیحدہ ہو گیا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

اجماع کی دو قسمیں ہیں۔ مجتہدین کا اجماع جو ہو چکا ہے۔ مثلاً صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کا کسی مسئلہ پر اتفاق، یہ اجماع حقیقی ہے۔ دوسرا اجماع مجازی ہے، یعنی کسی مسئلہ پر ارکان اسمبلی کا اتفاق۔ اجماع حقیقی تو اس طرح قانون اسلامی کی بنیاد ہے جس طرح کہ قرآن اور سنت۔ اجماع مجازی یعنی ارکان اسمبلی کا اتفاق بھی قانون ہے جبکہ وہ قرآن سنت اور اجماع حقیقی کے مطابق ہو۔ اس مقصد کے لئے صوبائی اسمبلی کے قواعد کی دفعہ ۸۰ کافی ہے۔ چنانچہ ہر وہ قانون جو اجماع مجازی یعنی اسمبلی کا پاس کردہ ہو۔ اسلامی قانون ہو گا بشرطیکہ وہ دفعہ ۸۰ کے

مطابق ہو۔ یہ اس لئے کہ اجماع مجازی ایسے افراد کی اکثریت پر مشتمل ہوتا ہے۔ جو اسلامک لاء میں مہارت نہیں رکھتے۔ اور قانون کے اسلامی ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے بنانے والے اسلامی قانون میں مہارت تامہ رکھتے ہوں۔

اجماع کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآن اور سنت پر مبنی ہو۔ قرآن اور سنت کے خلاف کوئی اجماع معتبر نہ ہوگا۔ اسی وجہ سے اجماع کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایسے افراد کی متفقہ رائے پر مشتمل ہو جو قرآن اور حدیث میں مہارت تامہ رکھتے ہوں۔ ان افراد کا اجماع جنہیں قرآن اور حدیث سے کوئی واقفیت نہ ہو شریعت میں قابل قبول نہیں۔

قیاس

(۴) قیاس اسلامی قانون کا چوتھا سرچشمہ قیاس ہے۔ لغت میں تقدیر یعنی اندازہ کو کہتے ہیں اور اسلامی قانون کی اصطلاح میں کسی قانون کی علت (Cause of Effect) کی بنیاد پر کسی دوسرے قانون کو منطبق کرنا۔ مثلاً شراب حرام ہے۔ قرآن اور سنت کے اعتبار سے حرمت کی علت (Cause of Effect) سکر (نشہ) یا Intoxication ہے۔ ہیروئن بھی از روئے قیاس حرام ہے اس لئے کہ اس میں نشہ ہے۔ قیاس کی اس طرح بھی تعریف کی گئی ہے۔ "ایک معاملہ کو دوسرے معاملہ کے ساتھ شرعی حکم میں اس بنیاد پر ملانا کہ دونوں کے درمیان حکم کی علت ایک ہے"۔ قیاس کا جواز قرآن سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

فَاعْتَبِرُوْا يٰاُولِى الْاَبْصَارِ *

عبرت حاصل کرو اے بصیرت والو۔

اللہ تعالیٰ نے ایک اور جگہ ارشاد فرمایا۔

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِى الدِّيْنِ

پس کیوں نہ نکلی ہر گروہ سے ان کی ایک جماعت تاکہ وہ قانون سازی کریں دین میں۔

(سورۃ توبہ آیت نمبر ۱۲۱)

قرآن اور حدیث اسلامی قانون کی بنیاد ہے لیکن قوانین حالات اور ماحول کے اعتبار سے بدلتے رہتے ہیں اس لئے شریعت نے نئے قوانین کے وضع کرنے کے لئے اجماع اور قیاس کو اختیار کیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہر وہ قانون جو قیاس اور اجماع کے تقاضوں کی بنیاد پر بنایا گیا ہو وہ بھی اسلامی قانون ہوگا اور اس کی وہی حیثیت ہوگی جو اسلام کے دوسرے قوانین کی ہے۔

پنجاب اسمبلی کے قواعد کا جائزہ

صوبائی مجلس قانون ساز کے قواعد میں ان تمام امور کو بڑی جامعیت کے ساتھ ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اس لئے اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ ہر وہ قانون جو کسی صوبائی مجلس قانون ساز نے ان قواعد اور ضوابط کو سامنے رکھ کر بنایا ہوا اسلامی قانون ہے۔

مسودات قانون کے اغراض و مقاصد کی تشریح

صوبائی مجلس قانون ساز کے تمام قواعد بالکل صحیح ہیں اور ان پر بحث کی کوئی گنجائش نہیں۔ البتہ قاعدہ ۳۷ کے ذیلی قاعدہ

(۲) قاعدہ ۸۰ اور ۹۰ کے متعلق کچھ گذارشات پیش کرتا ہوں۔ دفعہ ۳۷ کے سلسلہ میں میری گذارش یہ ہے کہ اس کی ذیلی دفعہ (۲) میں Objects and Reasons کا لفظ نہایت مبہم ہے۔ قرآن میں اس باب میں بڑی واضح ہدایت موجود ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ Objects and Reasons کے بیان میں اس کو مدنظر رکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے وہ تمام بنیادی اصول بتا دیئے ہیں جو ہر قانون کے لئے بمنزلہ روح کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

لَاخَيْرَ فِىْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا *

(النساء آیت ۱۱٤)

نہیں کوئی بھلائی بہت سے ان کے مشوروں میں سوائے جس نے حکم کیا خیرات کا یا رسم و رواج کا یا اصلاح کا درمیان لوگوں کے اور جو کوئی شخص نیک کام کرے چاہتے ہوئے خوشنودیاں اللہ کی بس عنقریب ہم دیں گے اسے اجر عظیم۔

قانون سازی کے بنیادی اغراض و مقاصد

اس آیت میں قانون سازی کے متعلق تین بنیادی باتیں بتائی گئی ہیں (۱) صدقہ (۲) معروف اور (۳) اصلاح بین الناس۔ صدقہ سے مراد دکھی انسانیت کی خدمت ہے۔ معروف سے مراد وہ رسم و رواج ہے جس کی عقل تصدیق کرتی ہو۔ اصلاح بین الناس سے مراد ہے بنی نوع انسان کی عام فلاح و بہبود۔ یعنی ہر قانون کی بنیادی غرض و غایت یہی ہونی چاہئے۔ قانون سازی میں ضرورت اس بات کی ہے کہ ان امور کو مدنظر رکھا جائے۔ صرف کسی چیز کو غرض و غایت کہہ دینا کافی نہیں بلکہ پوری وضاحت کے ساتھ بیان کرنا ضروری ہے کہ پیش کردہ قانون ان تین بنیادی اغراض میں سے کسی ایک غرض پر مبنی ہے۔ اس لئے اس دفعہ میں صرف Objects and Reasons کہنا کافی نہیں بلکہ قرآن کے بیان کردہ ان تینوں اغراض میں سے کسی ایک پر مبنی ہونا ضروری ہے

قواعد اسمبلی میں اسلامی تعلیمات کے منافی قوانین بنانے کی ممانعت

جہاں تک دفعہ ۸۰ کا تعلق ہے یہ بھی بالکل ٹھیک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات میں جو بنیادی اصول مقرر فرما دیئے ہیں ان کو مدنظر رکھنا ضروری ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللهُ وَلَاتَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ط لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ط وَلَوْ شَآءَ اللهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآاٰتٰكُمْ فَاسْتَبِقُوْا الْخَيْرٰتِ ط اِلَى اللهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ لا * وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللهُ اِلَيْكَ ط فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُاللهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ط وَاِنَّ كَثِيْراً مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ * اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ط وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ *

ترجمہ..... اور نازل کی ہم نے تیری طرف کتاب حق کے ساتھ تصدیق کرنے والی اس کی جو ہے اس سے پہلے کتاب سے اور معیار ہے اس پر پس قانون بناؤ درمیان ان کے مطابق اس کے جو نازل کیا اللہ نے اور مت پیروی کرو خواہشات کی ان کی مگر مطابق جو آیا تیرے پاس حق سے سب کے لئے مقرر کی ہے ہم نے تم میں سے ایک شریعت اور ایک سیدھی راہ اور اگر چاہے گا اللہ البتہ بنادے گا تمہیں امت ایک لیکن تاکہ آزمائے تمہیں متعلق اس کے جو دیا تمہیں پس آگے بڑھ کر لو نیکیوں کو۔ طرف اللہ کی لوٹ جانا ہے تمہارا سب کا پس خبر دے گا تمہیں متعلق اس کے ہو تم جس میں اختلاف کرتے۔ اور قانون بنا درمیان ان کے مطابق جو کہ نازل کیا اللہ نے اور مت پیروی کر خواہشات کی اور محتاط رہ ان سے یہ کہ دکھ میں ڈالیں تجھے مٹاکر بعض قوانین سے جو کہ نازل کئے اللہ نے تیری طرف پھر اگر وہ پھر جائیں تو جان لیں یہ کہ چاہتا ہے اللہ یہ کہ پہنچے سزا انہیں یہ سب بعض گناہوں کے ان کے اور یقیناً کثرت سے لوگوں سے البتہ نافرمان ہیں۔ کیا پس یہ قانون زمانہ جاہلیت کا چاہتے ہیں اور کون ہے بہتر اللہ سے قانون دینے والا لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں۔

ان آیات میں وہ تمام باتیں بتادی گئی ہیں جن پر ہر زمانہ میں قانون سازی کی بنیاد ہے۔ دفعہ ۸۰ کے تحت قائم کردہ مشاورتی کونسل کے لئے ضروری ہے کہ ان آیات کو ہمیشہ مدنظر رکھے۔ ان آیات میں جہاں بھی "فاحکم" کا لفظ ہے اس سے مراد قانون سازی ہے اس لئے کہ ہر فیصلہ کے لئے قانون کا ہونا ضروری ہے۔ قانون ہو گا تو فیصلہ ہو گا۔ اگر قانون ہی نہیں ہے تو فیصلہ کس کے مطابق ہو گا۔ اس لئے یہاں مراد یہ ہے جملہ قانون سازی اللہ کے نازل کردہ قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے ہونی چاہئے۔ ہر وہ قانون جو اس کے مطابق نہ ہو وہ قانون نہیں۔ ان میں ایک لفظ " مھیمناً " قابل غور ہے۔ مھیمناً سے مراد معیار ہے، یعنی کسوٹی۔ قرآن قانون سازی کے لئے بمنزلہ کسوٹی کے ہے۔ اس کی بنیاد پر یہ پرکھا جا سکتا ہے کہ کون سا قانون اسلامی نقطہ نظر سے صحیح نہیں۔

قواعد اسمبلی میں گورنر کے حق استرداد کی نفی

آخر میں دفعہ ۹۰ کے متعلق گذارش یہ ہے کہ اس کا تعلق پاکستان کے دستور۔ ۷۳ کی دفعہ ۱۱۶۔ ۱۱۵ کی ذیلی دفعہ (۳) سے ہے۔ اس کے ذریعہ گورنر کو Veto سے محروم کر دیا گیا ہے۔ جب کہ اسلامی نقطہ نظر سے گورنر کو ویٹو کا پورا اختیار ہونا چاہئے۔ البتہ اس میں ایک شرط ہے۔ وہ یہ کہ ویٹو کی صورت میں گورنر کے لئے ضروری ہو گا کہ وہ دلائل کی روشنی میں اپنے موقف کو ثابت کرے۔ بغیر دلیل کے گورنر کو کسی بل کے رد کرنے کا کوئی حق نہیں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی رائے کو Veto کر دیا مگر دلائل کے ساتھ۔ اسی طرح ملکہ سبا نے بھی اسمبلی کی رائے کو مسترد کر دیا لیکن بہت ہی واضح دلائل کے ساتھ۔ اس لئے گورنر کو Veto کا پورا اختیار ہونا چاہئے۔ مگر اس کے لئے ضروری ہو گا کہ وہ اپنے موقف کو نہایت محکم دلائل کے ساتھ ثابت کرے یہاں تک کہ ارکان اسمبلی مطمئن ہو جائیں اور ان کو بل پاس کرنے میں کوئی اعتراض نہ ہو۔

صوبائی اسمبلی کی قانون سازی کا موجودہ قانون نہایت مکمل ہے بشرطیکہ کہ اس میں مندرجہ بالا وضاحت کر دی جائے۔ اگر ان ترامیم کو شامل کر دیا جائے تو میرا خیال یہ ہے کہ یہ قانون ہر اعتبار سے مکمل ہے۔

اسلامی نظام میں دو ایوانی مجلس شوریٰ کا تصور

خلفائے راشدین کے دور میں قانون سازی کے کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے دو مختلف قسم کے ایوان ہوتے تھے۔ ایک ایوان عام جس میں انصار و مہاجرین کے نمائندے جمع ہو کر معاملات کا فیصلہ اہم سیاسی امور اور قانون سازی پر غور کرتے تھے۔ اس ایوان کے اجلاس ایسے اوقات میں منعقد ہوتے تھے جب کسی اہم اور بنیادی معاملہ یا قانون کو زیر بحث لانا مقصود ہوتا تھا اس ایوان میں جب کسی رائے پر اجماع ہو جاتا تو ملک کا سربراہ یا امیر اس کے خلاف اقدام نہیں کر سکتا تھا۔ روزمرہ کے مسائل اور عام قسم کے قوانین کے لئے ایوان خاص منعقد ہوتا تھا۔ جس کے مشوروں کی پابندی امام پر لازم نہیں تھی۔[1]

موجودہ آئین ۱۹۷۳ء کی دفعات اسلامی تعلیمات کے مطابق ہیں

بالکل اسی زاوئے سے پاکستان میں موجودہ آئین ۱۹۷۳ء تشکیل دیا گیا ہے۔ آئین کے شروع میں قرارداد مقاصد ہے جو پہلے (Preamble) تھی۔ اس میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ پاکستان میں کوئی بھی قانون قرآن و سنت کے خلاف نہیں بنایا جائے گا۔ اور موجودہ قوانین قرآن و سنت کی روشنی میں ترتیب

۱۔ اسلام کا شورائی نظام از مولیناجلال الدین انصر عمری

دیئے جائیں گے جس طرح خلافت راشدہ کے دور میں دو ایوان تھے۔ اس طرح پاکستان میں بھی دو ایوان ہیں۔ یعنی قومی اسمبلی اور سینٹ اور آئین میں قوانین بنانے کے طریقہ کار کی وضاحت آرٹیکلز ۷۰ سے ۸۶ تک کر دی گئی ہے۔ جس کے مطابق **ایسے امور و معاملات جو وفاقی حکومت کے زیرِ اختیار آتے ہیں ۔بل کی** شکل میں دونوں ایوانوں میں سے کسی ایک ایوان میں برائے بحث اور غور بھیجے جا سکتے ہیں وہ ایوان ایسے بل پر مکمل بحث اور غور کرنے کے بعد اسے دوسرے ایوان کو بھیجے گا۔ اور اگر یہ ایوان ۹۰ دن تک اس بل پر غور نہ کرے یا اس بل کو مسترد کر دے تو ایسی صورت میں دونوں ایوانوں کا مشترکہ اجلاس بلوایا جا سکتا ہے۔ اور اس مشترکہ اجلاس میں اس بل کو منظور کرنا یا مسترد کرنے کا فیصلہ اکثریتی ووٹ کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ اور بل اگر پاس ہو تو صدر کو منظوری کے لئے بھیجا جائے گا۔ صدر ۳۰ دن کے اندر اندر اس بل کو یا تو منظور کر دے گا یا اپنی سفارشات (Message) کے ساتھ اسے دوبارہ غور کے لئے مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) میں بھیج دے گا۔ اور پارلیمنٹ اس بل پر صدر کی سفارشات کی روشنی میں دوبارہ غور کرے گی اور اکثریت ووٹ کے ساتھ یہ بل منظور کر لے تو بل دوبارہ صدر کو پیش کیا جائے گا ایسی صورت میں صدر پر لازم ہے کہ وہ بل کی منظوری دے دے اور منظوری کے ساتھ ہی وہ بل قانون بن جائے گا۔

قانون سازی کا مندرجہ بالا طریقہ کار خلافت راشدہ کی مجالس شوریٰ اور ملک کے سربراہ یا عوام کے اختیارات کی عکاسی کرتا ہے۔ قانون سازی کے اس طریقہ کار میں صدر اور پارلیمنٹ (مجلس شوریٰ) کے باہمی روابط اور اختیارات بیان کئے گئے ہیں تاکہ ایک اسلامی مملکت میں صدر بالکل آزادانہ پالیسی اختیار کرتے ہوئے صرف اپنی منشاء و خواہش کے مطابق قوانین کی تشکیل نہ کرے بلکہ وہ اپنی مجلس شوریٰ سے پوری طرح صلاح مشورہ کرے۔ اسی طرح مجلس شوریٰ کو عوام کا منتخب شدہ ایوان تصور کیا جاتا ہے اور ان ایوانوں سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ قوانین کو مرتب کرتے وقت قرآن و سنت کے بنیادی اصولوں اور ہمارے معاشرتی تقاضوں کو مدنظر رکھیں۔

خلاصۂ بحث

خلاصہ یہ ہے کہ ہر وہ قانون جو کتاب و سنت میں مذکور نہیں ہے قانون نہیں جب تک کہ اجماع اور قیاس کے اصولوں کو سامنے رکھ کر نہ بنایا گیا ہو۔ ہر نئے قانون کے لئے ضروری ہے۔ کہ سب سے پہلے قیاس کے اصول کی روشنی میں اس کو اچھی طرح پرکھا جائے کہ وہ قرآن و سنت کے مطابق ہے یا نہیں ؟ اگر دلائل سے یہ ثابت ہو جائے کہ وہ قانون قرآن و سنت کے مطابق ہے اور ارباب علم یعنی مشاورتی کونسل مطمئن ہو جائے کہ وہ نص کے خلاف نہیں ہے تو پھر اس مجوزہ قانون کو اجماع کے لئے اسمبلی کے سامنے پیش کر دیا جائے تاکہ وہ اس کو پاس کر دے۔ اجماع کے بعد ضروری ہے کہ اس کو گورنر کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ وہ اپنا حکم صادر کر کے اس کو قانونی حیثیت دے۔ کوئی بھی قانون بغیر گورنر کی منظوری کے ملکی قانون کہلانے کا مستحق نہیں۔ گورنر کو استرداد (Veto) کا حق بھی ہے۔ لیکن وضع قوانین سے متعلق خدائی ہدایات کی روشنی میں وہ ہدایات تین ہیں۔ (۱) صدقہ، دکھی انسانیت کی خدمت (۲) معروف رسم و رواج بشرطیکہ وہ نص کے خلاف نہ ہو۔ مثلاً بیٹی کو وراثت سے محروم کرنے کا قانون، بیک وقت پانچ شادیوں کا قانون، ماں، بہن، پھوپھی، خالہ کے ساتھ شادی کے جواز کا قانون۔ بیک وقت دو بہنوں سے شادی کا قانون وغیرہ وغیرہ (۳) اصلاح بین الناس، بنی نوع انسان کی عام فلاح بہبود کا قانون۔ ان اصولوں پر مبنی جو بھی قانون ہو گا وہ نہ صرف ملکی قانون ہو گا بلکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل قبول ہو گا اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے انعام و کرام کے قابل قرار دیا جائے گا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور جو ایسے کام اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کرے گا تو ہم اس کو اجر عظیم عطا کریں گے۔

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْراً عَظِيْماً *

(النساء ـ ۱۱۴)

وقت کی اہم ترین ضرورت

اس قسم کے سیمینار منعقد کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے جہاں نمائندے اپنے فرائض منصبی کے طریق کار، مشکلات اور مسائل پر گفتگو کر سکیں اور پھر اسمبلی کے اندر اپنی کارکردگی کو خوب سے خوب تر بنا سکیں باہمی مشاورت سے اگر ہم جمہوری اداروں کی کارکردگی کو بہتر بنا سکیں تو ملک و مِلّت کے لیے یقیناً مفید ہو گا۔

چوہدری محمد انور بھنڈر
سابق سپیکر مغربی پاکستان اسمبلی

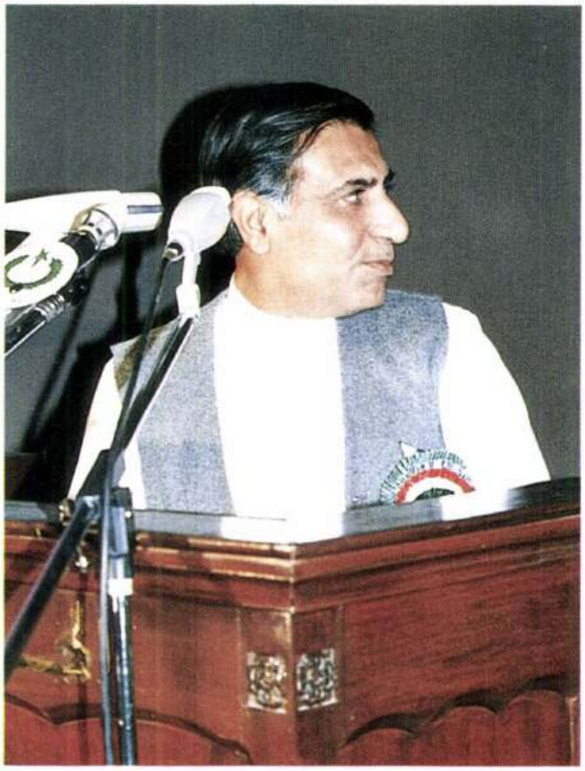

سردار وزیر احمد جوگیزئی ڈپٹی سپیکر قومی اسمبلی تقریر فرمارہے ہیں۔

عمل قانون سازی و پارلیمانی طریق کار

سردار وزیر احمد جوگیزئی، ڈپٹی سپیکر قومی اسمبلی پاکستان

جناب میاں منظور احمد وٹو سپیکر پنجاب اسمبلی، میرے عزیز ساتھی جناب وسیم سجاد وزیر قانون و پارلیمانی امور، قائد حزب اختلاف پنجاب اسمبلی، جناب ڈپٹی سپیکر پنجاب اسمبلی، اور وزیر قانون و پارلیمانی امور پنجاب، خواتین و حضرات اور میرے محترم استاد سردار موکل صاحب، (جوگیزئی صاحب نے میاں منظور وٹو صاحب کا شکریہ ہی ادا کیا تھا کہ نماز کا وقت ہو گیا۔ چنانچہ بقایا تقریر نماز کے بعد ہوئی جو اس طرح ہے)

میاں منظور احمد وٹو صاحب! آپ نے آج یہاں جس سیمینار کا اہتمام کیا ہے۔ میں شاید اس سیمینار میں نہیں آسکتا تھا کیونکہ مجھے امریکہ جانا تھا، یہی tour جو آپ کر کے آئے ہیں اسی سلسلے میں مجھے بھی جانا تھا۔ لیکن میں نے فیصلہ کیا کہ، میں اس سیمینار میں ضرور جاؤں گا چنانچہ ہم نے اس کے لئے ایک دو دن تیاری کے لئے بھی وقف کئے۔

جناب والا۔ میری یہ بدقسمتی ہے کہ میرا نام ڈاکٹر سردار موکل کے بعد آرہا ہے۔ اتنی مدلل تقریر یا لیکچر جو انہوں نے دیا اس طرح کا لیکچر تو شاید میں آپ کو نہ دے سکوں۔ پھر بھی کچھ نہ کچھ عرض کرتا ہوں۔

پارلیمنٹ کی حاکمیت

جناب والا۔ پارلیمنٹ کے نام کے متعلق جس طرح ڈاکٹر صاحب فرماتے رہے ہیں کہ کہیں پر اس کا نام کانگریس ہے اور کہیں پر پارلیمنٹ اور ہم مجلس شوریٰ کا نام رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ہم پارلیمنٹ ہی سے منسوب رہیں گے۔ پارلیمنٹ کی حاکمیت (Supremacy) صرف اور صرف اس لئے ہوتی ہے کہ وہاں پر عوام کی رائے کا اظہار کیا جاتا ہے اور وہ اظہار عوام کی آراء اور خواہشات کا نچوڑ ہوتا ہے اور یہی عنصر اس کو ایک اولین اور اعلیٰ (Premier) ادارہ بناتا ہے۔

قانون سازی کا طریق کار

خواتین و حضرات! آپ میں سے بیشتر حضرات قانون ساز اداروں کے ممبر ہیں اور آپ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ اس قانون سازی کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ایک طریقہ کار ہوتا ہے جس کو رولز آف پروسیجر

(Rules of Procedure for regulating the Conduct of Business of the Assembly.

کہتے ہیں۔ شاید اکثر اسمبلیوں میں اور ہمارے ہاں کوئی فرق نہ ہو لیکن مجھے صوبائی اسمبلیوں کا تجربہ نہیں ہے اور جو تھوڑا سا تجربہ مجھے قومی اسمبلی میں ہوا ہے وہ میں آپ کی نذر کرتا ہوں۔ اس پروسیجر کے تحت مختلف آراء سامنے آتی ہیں اور ان آراء کو منضبط کرنا پروسیجر کا کام ہے اور اس کی مدد سے ایک مدلل، اچھا اور خوبصورت سا قانون بنایا جاتا ہے جو عوام الناس کے فائدے کے لئے ہوتا ہے۔ ایک قانون بنانے کے لئے ظاہر ہے کہ بل حکومت کی طرف سے ہی پیش ہوتا ہے۔ پرائیویٹ ممبرز day چونکہ ایک ہی ہوتا ہے اس لئے اس دن Private Legislation کی جاتی ہے۔ لیکن اکثر اوقات سرکاری کام ہوتا ہے۔

قانون سازی کے مراحل

جناب والا! اس طریقہ کار میں جسے ہم پروسیجر کہیں گے ایک بل جب Introduce ہوتا ہے تو پھر یا تو اس بل کو اسلامی نظریاتی کونسل کے پاس بھیجا جاتا ہے یا رائے عامہ کے لئے متداول کر لیا جاتا ہے یا اس کو ایک سلیکٹ کمیٹی کے پاس بھیجا جاتا ہے۔ اس کے بعد اس پر عام بحث ہوتی ہے۔ عام بحث کے بعد دوسری خواندگی اور پھر تیسری خواندگی ہوتی ہے، آپ لوگ اس عمل سے بخوبی واقف ہیں جو بل اسلامی نظریاتی کونسل کے پاس بھیجا جاتا ہے تو وہ یہ رائے لینے کے لئے بھیجا جاتا ہے کہ آیا یہ قانون اسلام کے منافی تو نہیں ہے۔ اور اگر وہ قانون اسلام کے منافی نہیں ہے تو وہ قانون یقیناً فلور پر آجاتا ہے اور اس کو ایک قانونی شکل دے دی جاتی ہے۔

قانون سازی کے عوامل

قانون سازی کا یہ کام میرے خیال میں چار مختلف عناصر پر مشتمل ہے۔ اول یہ کہ Institutional Structure کیا ہے اس کا Constitutional Framework کیا ہے' اس فریم ورک کی آئین میں ایک Laid out position ہوتی ہے' دوسرا عنصر رولز آف پروسیجر ہیں جو کہ اسمبلی خود وضع کرتی ہے تیسرا عنصر پولیٹیکل کلچر ہے' پولیٹیکل کلچر ملک میں قانون سازی کے لئے ایک بہت اہم عنصر ہے۔ جو کہ بڑا Variable Factor ہے اور وہ (Economic Conditions) مذہب' Demographic Conditions اور Literacy کے ہونے یا نہ ہونے سے متاثر ہوتا ہے۔ ان کا آپس میں بڑا تعلق ہوتا ہے۔ اور آخری بات جس کی طرف میں اب آرہا ہوں وہ ان ممبران کی کوالٹی ہے جو اس وقت فلور پر موجود ہوتے ہیں۔ خواتین و حضرات! وہ لوگ جو اس وقت اسمبلی کے ممبر ہوتے ہیں ان کی کوالٹی قانون سازی کے طریقہ کار میں بہت زیادہ مدد و معاون ثابت ہوتی ہے۔ آئین کے دیباچے میں بتایا گیا ہے کہ پاکستان کے لوگوں کے لئے کیا مطلوب ہے۔ جو بات ہمیں اس میں ملتی ہے ہمیں اس پر چلنا ہوتا ہے جیسا کہ پارلیمانی طرز حکومت ہمیں آئین کے تحت دی گئی اور اچھی طرح سوچ بچار کے بعد ہمیں یہ کہا گیا کہ جو قانون آپ بنائیں گے وہ اسلام کی روشنی میں بنائیں گے اسلام کے خلاف قانون سازی نہیں ہو سکتی۔

نچلی سطح تک جمہوریت کا نفوذ

اس وقت موجودہ دور میں ہم ایک عبوری دور (Transition) سے گزر رہے ہیں اور ۹ سال کے طویل وقفہ کے بعد دو سال کا تجربہ یہاں پر بیان کرنا میرے خیال میں خاصا اہم کام ہے' اس سلسلے میں ہم میاں منظور احمد وٹو صاحب کے ممنون ہیں کہ انہوں نے یہ سیمینار منعقد کر کے ہمیں بات کرنے کا موقع فراہم کیا ہے اور آپ سب لوگ بھی ان باتوں کو سن رہے ہیں جن کی ہمیں بہت زیادہ ضرورت ہے اور اس ساری (Legislation) کے لئے ایک چیلنج بھی ہوتا ہے اور وہ چیلنج یہی ہے کہ جمہوریت کو ہم grass-roots تک پہنچانے کے لئے کوشش کریں۔ اگر جمہوریت پارلیمنٹ کے فلور سے پارلیمنٹ کے ممبرز سے Grass-roots تک نہیں پہنچتی تو میں سمجھتا ہوں کہ اس پارلیمنٹ میں کوئی نہ کوئی نقص ضرور ہے۔

اسمبلی کے احتسابی فرائض

جناب والا۔ جیسا کہ میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ پارلیمنٹ کا اولین فرض لیجسلیشن ہے لیکن جیسا کہ شروعات میں وقفہ سوالات ہوتا ہے' پھر تحریک ہائے استحقاق پیش ہوتی ہیں ان تحریک ہائے استحقاق' تحریک ہائے التوائے کار اور سوالات سے ایوان ایک جیتا جاگتا ایوان بن جاتا ہے' پورے ملک میں جہاں کوئی واقعہ ہوا ہو وہ صوبائی اسمبلیوں، قومی اسمبلی اور سینٹ میں ایک ہلچل مچا دیتا ہے۔ یہ فی الحقیقت

میاں منظور احمد وٹو سپیکر پنجاب اسمبلی' جناب وسیم سجاد وفاقی وزیر انصاف و پارلیمانی امور اور سردار وزیر احمد جوگیزئی ڈپٹی سپیکر قومی اسمبلی سٹیج پر تشریف فرما ہیں۔

احتساب کا عمل ہوتا ہے۔ میرا موضوع شاید اس وقت احتساب نہیں ہے، بہر حال تھوڑی سی بات احتساب کی بھی کرنی ہوتی ہے۔ اس لیجسلیشن کا مقصد کیا ہوتا ہے؟ اس لیجسلیشن سے ان سارے مسائل کو جاننا ہوتا ہے اور ممبران اسمبلی کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ اس ضمن میں ٹھوس تجاویز پیش کریں، اس کی حد بندی کریں اور اس کے لئے ایک حل ڈھونڈیں اور اس کا ایک Viable Solution پیش کریں۔

جناب والا۔ پروسیجر تو آپ پڑھتے رہتے ہیں اور لیجسلیشن کا پروسیجر Expedite بھی ہو سکتا ہے ضروری نہیں ہوتا کہ ہم دوسری اور تیسری ریڈنگ کریں، دوسری اور تیسری ریڈنگ کو ہم ایک ساتھ بھی کر سکتے ہیں Expedite بھی کر سکتے ہیں Closure لگا سکتے ہیں اور Guillotine بھی کر سکتے ہیں۔ میں اس پر زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ لیکن چونکہ لیجسلیشن ہمیشہ گورنمنٹ کی طرف سے ہوتی ہے اور گورنمنٹ ہمیشہ یہی چاہتی ہے کہ اس کا کام جلدی ہو اور اسی لئے حکومتی پارٹی حکومت کی طرف بہت زیادہ دیکھتی ہے تاکہ سپیکر جلدی کرے اور سپیکر کا کام ایسا ہوتا ہے کہ اسے اپوزیشن کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے۔ اس لئے ہمارے ملک میں اب تک اپوزیشن کو غالباً وہ مقام نہیں ملا تھا جو اس وقت موجودہ اسمبلیوں میں ملا ہے۔

حزب اختلاف کا کردار

میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ پنجاب اسمبلی کے اپوزیشن کے لیڈر اس وقت سٹیج پر بیٹھے ہوئے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اپوزیشن کو ایک مقام دلانے کی کوشش کی جا رہی ہے، ان کی بات سننے اور عزت و تکریم کرنے کی ایک کوشش کی جا رہی ہے اور ہم قومی اسمبلی میں بھی حتی الوسع کوشش کرتے ہیں کہ اپوزیشن کو اپنی بات کہنے کا موقع ملے اور اپوزیشن جب تک اسے Approve نہیں کرے گی۔ جب تک اپوزیشن اس پر بولے گی نہیں گورنمنٹ پارٹی کی یہ خواہش ہوگی کہ وہ اپنے قانون کو جلد از جلد پاس کروائے تاکہ ان کا اس کے بعد کچھ اور بزنس ایوان میں آتا رہے لیکن اپوزیشن کا یہ کام ہے کہ وہ اس میں Obstruction پیدا کرے پوائنٹس اور آئینی نکتے اٹھائے۔ تاکہ ایوان میں ایک توافق پیدا ہو، لاسکی نے اس کے متعلق کہا تھا
Parliament is a talking shop
پھر وہ ایک زندہ جاوید سی چیز بن جاتی ہے اور اس کے ممبر کی بہت زیادہ عزت ہوتی ہے۔ لیکن لیجسلیشن کے ساتھ ساتھ پارلیمنٹ کے ممبر کو اور پارلیمنٹ کو اجتماعی طور پر بہت سارے عناصر کا خیال رکھنا پڑتا ہے اور وہ عناصر جو کہ ان کی ڈیوٹی میں شامل ہیں، وہ ہیں Representation ، لیجسلیشن اور پھر جمہوریت کو Grass-roots تک پہنچانا۔ اس کے علاوہ عوام الناس اور پارلیمنٹ کا ایک رشتہ ہوتا ہے۔ اس رشتے کو قریبی بنانے کا اولین فرض ایوان کے ممبران کا بنتا ہے کہ وہ اپنے عوام سے ناطہ نہ توڑیں اس لئے کہ عوام ہی ہمیں منتخب کر کے ان ایوان میں بھیجتے ہیں اور عوام ہی کے پاس ہم جاتے ہیں۔ ہمارے اندر وہ صلاحیتیں ہونی چاہئیں کہ ہمیں قوم کا نبض شناس (Barometre of the National Pulses) کہا جائے۔

بدلتے معاشرے کی ضروریات کے مطابق قانون سازی

پارلیمنٹ کو ایڈمنسٹریشن پر بھی نظر رکھنا پڑتی ہے جس کو احتساب کا عمل کہتے ہیں اور ان کو سہولیات بھی دینا ہوتی ہیں۔ لیکن عامتہ الناس سے ارکان کا ناطہ بہت ضروری ہوتا ہے۔ اس طریقہ سے پارلیمنٹ ایک Living Organism ہوتی ہے جو grow کرتی ہے اور Social changes پر بھی اس کی نظر ہونی چاہئے۔ اس لئے کہ معاشرہ ہر ۲۵ سال کے بعد بدلتا ہے اور پارلیمنٹ کو اس عنصر سے خوب آگاہ ہونا چاہئے، اسے علم ہونا چاہئے کہ معاشرتی تبدیلیاں کہاں پر اور کس طریقے سے ہو رہی ہیں۔ پارلیمنٹ کو یہ تبدیلیاں لانے میں Instrument ہونا پڑتا ہے۔ اگر پارلیمنٹ اس میں Instrument نہیں بنتی تو وہ سماج تبدیلی سماجی انقلاب بن سکتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ اسے لوگوں کو خواہشات، جمہوریت اور حکومت کی ترقی پر بھی نظر رکھنا ہوتی ہے۔ اگر ترقی نہیں ہوتی تو یہ غلط ہے۔ ترقی ہر طریقے سے ہوتی ہے مثلاً مادی فوائد (Material Benefits)، لیکن ہمیں آج جس چیز کی ضرورت ہے وہ ہے۔ ذہنی اور عقلی ترقی (Mental Development) اور وہ اس طریقے پر ہو جس طرح میاں صاحب نے اپنے خطبہ صدارت میں پریس کے حضرات سے گزارش کی کہ وہ Issues کو دیکھیں اور وہ Non-issues کو Issues نہ بنائیں۔ اور اگر نان اشوز کو اشوز بنایا جاتا رہا تو پھر یہ کہا جائے گا کہ پارلیمنٹ ناکام ہو رہی ہے۔ درحقیقت پارلیمنٹ ناکام نہیں ہو رہی ہر پارلیمنٹ اپنے کچھ نہ کچھ اثرات چھوڑتی ہے اور ظاہر ہے کہ وہ اثرات لوگوں پر بہت دیر تک رہتے ہیں اور ان کا نتیجہ بھی ہوتا ہے۔ ممبر کی بہت زیادہ ذمہ داریاں ہوتی ہیں وہ ایک پبلک پراپرٹی ہے اور اس کا ایک چلن ہوتا ہے اور اس Conduct میں اور اس کے قول و فعل میں فرق نہیں ہونا چاہئے اس لئے کہ ہم نے اس ملک میں کئی ادوار ایسے دیکھے ہیں جب پارلیمنٹ کے نتائج نہ ہونے کے برابر تھے۔ لیکن آج ہم یہاں پر اکٹھا ہوئے ہیں تو ہمیں آج جس چیز پر Concentrate کرنا چاہئے وہ ہے Personal Conduct جس سے ہم اس قوم کو بنا بھی سکتے ہیں۔ اور آگے بھی لے جا سکتے ہیں اور اس سیمینار کا میرے خیال میں مقصد بھی یہی ہے کہ ہم اس قسم کی باتیں کریں اور ایک Tempo اور ایک Trend بنائیں کہ ممبرز کو کیا کرنا ہے اور کیسے کرنا ہے؟ کہاں جانا ہے اور ان کی Priorities کیا ہیں؟

پارلیمنٹ کی کارکردگی کا انحصار اراکین کی صلاحیت پر ہے

جناب والا! پارلیمنٹ جس کی بہت سی ذمہ داریاں ہوتی ہیں ان میں سے احتساب بڑا خوبصورت پہلو ہے، جو وقفہ سوالات میں صبح روزانہ آپ کے سامنے آتا ہے اور بجٹ پاس کرتے وقت بھی آتا ہے اور ہمارا یہ سارا پروسیجر Westminister کے رولز پر مبنی ہے۔ نظریاتی طور

پرتوہم یہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ اختیار حاصل ہے کہ ہم گرانٹس کو کم کر سکتے ہیں۔ لیکن دراصل Estimate کو نہ گھٹا سکتے اور نہ بڑھا سکتے ہیں اور اس حاکمیت (Sovereignty) پر کچھ نہ کچھ قدغن ہوتی ہے۔ ایک لیجسلیچر کی کامیابی یا ناکامی کا دارومدار اس کے ممبران کی سوچ اور سمجھ پر ہے رکن اسمبلی کی Awareness کتنی ہے؟ اور وہ اپنی Obligations کو کتنا سمجھتا ہے، اور لوگوں کے پاس کتنا جاتا ہے اور لوگوں کے مسائل کو کس طرح حل کرتا ہے۔ میرے سامنے یہی ایک بیرومیٹر ہے کہ ایک پارلیمنٹ کہاں اور کیسے کامیاب ہوتی ہے۔

سلسلہ سوال وجواب

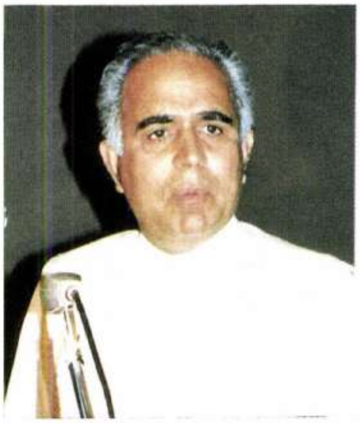

میاں محمد افضل حیات قائد حزب اختلاف پنجاب اسمبلی سلسلہ سوال وجواب کا آغاز کر رہے ہیں۔

سوال نمبر۱

آزادی سے پہلے بنے ہوئے قوانین کو بدلتے حالات کے مطابق ڈھالنا

میاں محمد افضل حیات ...... جناب صدر مجلس ہمارے بیشتر قوانین آزادی سے پہلے کے بنے ہوئے ہیں اور عام طور پر انہی قوانین میں ترمیم کر کے ہم اپنا گزارہ کرتے رہے ہیں۔ بہت تھوڑی قانون سازی اس قسم کی ہوئی ہے کہ جو آزادی کے بعد کی گئی ہے۔ ان کی روح (سپرٹ) وہی ہے، جو پہلے قوانین میں موجود تھی۔ میں یہ پوچھنا چاہوں گا کہ وہ قوانین کسی بھی لحاظ سے ہمارے سماجی، اقتصادی اور ثقافتی کیفیت کے مطابق نہیں ہیں۔ اور شاید اس لئے ان پر پورے طریقے سے عملدر آمد بھی نہیں ہوتا اور قانون کا احترام بھی اتنا نہیں ہوتا جتنا ہونا چاہئے۔ کیا آپ فرمائیں گے کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے تاکہ ہمارے قوانین فوری طور پر اس قسم کے ہو جائیں کہ وہ ہمارے سماجی، اقتصادی اور سیاسی حالات کے مطابق ہوں؟

جواب

جناب وسیم سجاد .... میرے پاس اس وقت صحیح اعداد و شمار تو نہیں ہیں کہ میں کہہ سکوں کہ کتنے قوانین ۱۹۴۷ء سے پہلے بنے اور کتنے اس کے بعد بنے۔ لیکن میرے خیال میں ان کا یہ کہنا درست نہیں کہ ہماری بیشتر قانون سازی ۱۹۴۷ء سے پہلے کی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ پاکستان کے بہت سے بنیادی قوانین، جن کا تعلق روز مرہ کی زندگی سے ہے اور جن سے ہمارا روزانہ عدالتوں میں تعلق رہتا ہے، مثلاً ضابطہ فوجداری، ضابطہ دیوانی، تعزیرات پاکستان، پینل کوڈ وغیرہ سب ۱۹۴۷ء سے پہلے کے بنے ہوئے ہیں۔ لیکن ۱۹۴۷ء کے بعد بہت سی قانون سازی ہوئی ہے۔ وہی بات کہ اس وقت میرے پاس صحیح اعداد و شمار تو نہیں ہیں لیکن میرے خیال میں ۱۹۷۳ء سے ۱۹۷۷ء کے دوران ۲۰۰ سے زائد قوانین نیشنل اسمبلی کی طرف سے بنائے گئے ہیں۔ اس طرح ۱۹۴۷ء سے لے کر ۱۹۷۳ء تک بے شمار قوانین بنائے گئے اور مارشل لا کے ایک طویل عرصے کے دوران ہی بہت سے قوانین مارشل لا آرڈرز یا مارشل لاء ریگولیشنز کے تحت بنائے گئے، جن کو اب آپ کے آئین کے مطابق باقاعدہ قوانین کی حیثیت دے دی گئی ہے۔ جہاں تک اعداد و شمار کا تعلق ہے یہ بات صحیح نہیں کہ زیادہ تر قوانین پہلے بنائے گئے تھے۔ لیکن یہ شاید درست ہے کہ بہت سے بنیادی قوانین آزادی سے پہلے کے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ وقتاً فوقتاً تبدیلیاں لائی گئی ہیں۔ تبدیلیاں اپنے حالات اور تجربات کے مطابق لائی جاتی ہیں اور ہم یہ سوچتے ہیں کہ یہ بہتر ہیں۔ پچھلے دنوں رانا صاحب نے ۴۸۷ کا ذکر کیا۔ یہ ایک شق ہے جس میں غاصبانہ قبضہ پر بہت تھوڑی سزا رکھی گئی ہے۔ اسے زیادہ ہونا چاہئے۔ میں نے ان سے اتفاق کیا کہ واقعی آج کل ایسے حالات ہیں اور ہمارے سامنے روزانہ ایسے واقعات پیش آتے ہیں جن سے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ واقعی یہ سزا بہت کم ہے اس کے بارے میں غور ہونا چاہئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ تبدیلی برائے تبدیلی کوئی اچھی چیز نہیں ہوتی۔ اگر کسی قانون مثلاً پرو سیجر کوڈ میں آپ کو کچھ خامیاں نظر آتی ہیں اور آپ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ خامیاں چند ترامیم سے دور ہو سکتی ہیں تو ایسی ترامیم مستحسن ہیں اور یہ ایک مسلسل تجربہ ہوتا ہے۔ ایک یا دو سال کی بات نہیں ہے۔ یہ ہمارا چالیس سالہ تجربہ ہے۔ جس کا نچوڑ قوانین میں ملتا ہے۔ اس میں وقتاً فوقتاً ضرورت کے مطابق تبدیلی کی جاتی رہی ہے۔ مثلاً محسوس کیا گیا کہ قتل کے مقدمات میں پہلے Commitment Procedure ہوتا تھا۔ پہلے وہ مقدمہ مجسٹریٹ کے پاس جاتا تھا اور ابتدائی شہادتیں ہوتی تھیں اس کے بعد مجسٹریٹ اس کو سیشن جج کے حوالے کر دیتا تھا اور اس مقدمہ کا باقاعدہ Trial سیشن جج کے پاس ہوتا تھا لیکن جب یہ محسوس کیا گیا کہ اس سے بہت سا وقت ضائع ہوتا ہے اور دوبارہ ایک ہی چیز کو دوہرایا جاتا ہے تو Commitment Procedure ختم کر دیا گیا۔ اب یہ ہوتا ہے اور آپ کو بھی معلوم ہے کہ جب مقدمہ چالان پیش ہوتا ہے تو وہ براہ راست سیشن جج کے پاس بھیج دیا جاتا ہے۔ یہ تجربہ تھا اس کا نتیجہ اچھا نکلا یا برا یہ اور بات ہے۔ لیکن اس تجربے کی روشنی میں کچھ ترامیم کی گئیں اس طرح ضابطہ دیوانی میں سروس، عدالت کے فیصلوں اور

Ex Parte ڈگری کے بارے میں ایسی چیزیں بے شمار ہیں اور ۱۹۷۲ء میں ایسی بہت سی ترامیم ضابطہ دیوانی میں کی گئیں یہ کبھی کبھی ہوتا ہے۔ لیکن اگر آپ ایک ایسے نتیجے پر پہنچے کہ ہمارا ضابطہ فوجداری یکسر غلط ہے اور مکمل تبدیلی طلب ہے۔ ایک نیا قانون مطلوب ہو تو پھر آپ ایک نیا قانون لاتے ہیں۔ مثلاً ۱۹۱۳ء کا کمپنیز ایکٹ چل رہا تھا اور وقت گذرنے کے بعد محسوس کیا گیا کہ یہ ہمارے موجودہ حالات کے لئے ناکافی ہے اور کمپنیز کو چلانے اور انتظامیہ کو چلانے کے سلسلے میں ہمیں مشکلات پیش آئیں تو ایک نئی سوچ ابھری اور ایک بالکل نیا قانون ۱۹۸۷ء میں کمپنیز آرڈیننس کے نام سے پاس ہوا ہے وہ ایک نیا قانون ہے جس نے ۱۹۱۳ء کے قانون کی جگہ لے لی ہے۔ میں تبدیلی برائے تبدیلی کا خواہشمند نہیں ہوں لیکن اگر آپ یہ چاہیں کہ ہم نے ایک بالکل نئی چیز لانی ہے تو پھر یہ ضرور ہو گا کہ آپ قانون سازی کریں گے پارلیمنٹ بھی نئی ہے صوبائی اسمبلیاں بھی نئی ہیں اور ہمارا تجربہ بھی اس چیز میں کم ہے۔ قانون سازی لمبی سوچ کا ایک حتمی نتیجہ ہوتا ہے۔ یہ سوچ پارلیمنٹ کے باہر ہوتی ہے اور بل جب شروع ہوتا ہے تو اس سے پہلے منسٹری کے اندر بہت ساری سوچ اور ماہرین کے ساتھ بہت سا تبادلہ خیال ہوتا ہے اور اس کا تعلق حکومت کی پالیسی سے بھی ہوتا ہے کہ قانون میں کیا تبدیلی لانا چاہتی ہے اور یہ کام مختلف سطحوں پر ہوتا ہے۔ جب یہ سوچ مکمل ہو جاتی ہے تب اس کو ایک بل کی شکل دی جاتی ہے۔ اور پھر وہ بل پارلیمنٹ میں آتا ہے اور وہاں سے ایک نئی سوچ کا آغاز ہوتا ہے۔ وہاں پر بحث ہوتی ہے۔ وہ بل وہاں سے پاس ہو کر نکلتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ کام محض تبدیلی کی خاطر کرنا غلط ہو گا لیکن اگر ایسے حالات ہو جائیں کہ بالکل نیا قانون درکار ہو تو پھر نیا قانون بنایا جاتا ہے۔ اور پرانا متروک کر دیا جاتا ہے۔ دوسرا سوال جو راناصاحب نے فرمایا وہ Concurrent list کے بارے میں تھا مختلف ممالک کے دساتیر میں تقسیم اختیارات کا طریق کار مختلف ہوتا ہے۔ دستور پاکستان ۱۹۷۳ء میں دو لسٹیں ہیں ایک لسٹ صوبائی ہے۔ صوبائی لسٹ میں جو چیزیں درج ہیں وہ صرف صوبائی اسمبلیوں کے اختیار میں ہیں۔ ان پر صوبائی اسمبلی قانون سازی کر سکتی ہے اور اگر ایسے معاملے میں کوئی قانون مرکز کی طرف سے بنایا جائے جو اس لسٹ میں شامل ہے تو ہائیکورٹ کو اختیار ہو گا کہ اس کو کالعدم قرار دے دے۔ اسے ultra vires کہتے ہیں۔ دوسری لسٹ جو آپ کو ۱۹۷۳ء کے آئین میں ملے گی وہ ہے کنکرنٹ لسٹ۔ کنکرنٹ لسٹ میں شامل امور کے بارے میں صوبوں اور مرکز دونوں کو قانون سازی کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔ اور یہ اختیار اس لئے دیا جاتا ہے کہ مختلف صوبوں میں ہم آہنگی پیدا ہو اور ایک قسم کا قانون ہو۔ کئی قوانین ایسے ہوتے ہیں جن میں ہم آہنگی نہ بھی ہو تو کوئی فرق نہیں پڑتا جیسے پنجاب کا کوئی اور قانون ہے اور سندھ کا کوئی اور قانون ہے لیکن کچھ ایسی چیزیں ہوتی ہیں جن میں ہم آہنگی کی خاطر مرکز کو قانون سازی کرنا اور پالیسی دینا پڑتی ہے۔ اگر مرکز قانون بنائے اور صوبہ بھی قانون بنائے اور اس میں تصادم ہو تو آئین کی روح کے لحاظ سے مرکز کا قانون حاوی ہو گا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ صوبہ قانون سازی نہیں کر سکتا۔ صوبہ ان معاملات میں قانون سازی کر سکتا ہے جہاں مرکز نے قانون سازی نہیں کی یا اگر کی بھی ہے تو جس مخصوص چیز کے بارے میں قانون سازی کی جارہی ہے اس کے بارے میں پہلے سے کوئی احکام یا قانون موجود نہیں ہے۔ اب یہ تقسیم کار موجودہ آئین کے مطابق ہے۔ اس کے علاوہ ایک تیسری لسٹ بھی ہے جس کا ذکر آئین میں نہیں ہے۔ اس کو ہم Residuary لسٹ کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان دو لسٹوں کے علاوہ جو چیز بھی بچ گئی ہے اور یہ سب سے زیادہ اہم ہوتی ہے۔ کیونکہ جو چیزیں بچ جاتی ہیں وہ بہت کثرت سے ہوتی ہیں۔

Residuary Powers صوبے کے پاس ہوتی ہیں۔ جس کے پاس یہ ریزوڈوری پاورز ہوں وہ قانون سازی کا زیادہ اختیار رکھتا ہے یہ ایک عام آئینی اصول ہے۔ کچھ ممالک میں تین لسٹیں بنائی جاتی ہیں۔ پروِنشل لسٹ' سنٹرل لسٹ' کنکرنٹ لسٹ ہم نے یہ تجربہ پہلے کیا تھا اس میں یہ ہوتا ہے کہ جو سنٹرل لسٹ ہوتی ہے اس کے بارے میں سنٹر کو اختیار ہوتا ہے۔ جو صوبائی ہوتی ہے اس کے بارے میں صوبے کو اختیار ہوتا ہے اور جو کنکرنٹ لسٹ ہوتی ہے اس میں دونوں کو ہوتا ہے۔ لیکن ہم نے جو تجربہ کیا تھا شاید وہ کامیاب نہیں سمجھا گیا اس لئے اب صرف دو لسٹیں رکھی گئی ہیں۔ Residuary Powers صوبے کے پاس ہوتی ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی ایسا مسئلہ ہے جس کا ذکر نہ آپ کو صوبائی لسٹ میں ملے اور نہ مرکز کی لسٹ میں ملے تو وہ صوبے کے دائرہ اختیار میں ہو گا اور صوبے کے پاس خاصے اختیار ہیں۔ آپ کا کریمنل پروسیجر کوڈ کنکرنٹ لسٹ میں ہے لیکن کریمنل پروسیجر کوڈ میں بھی پنجاب میں وقتاً فوقتاً اپنی ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے ترامیم کی گئی ہیں۔ اس طرح اور قوانین بھی جو کریمنل لاء کے متعلق ہیں وہ بھی کنکرنٹ لسٹ میں شامل ہیں۔ اور اس میں بھی صوبے کو اختیار ہے۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ یہ کہنا درست نہیں ہے کہ صوبے کو اختیار نہیں ہے یا کم ہے۔ بلکہ حالات کے مطابق صوبے کو اختیار ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اگر صوبے کے قانون اور مرکز کے قانون میں تصادم ہو جائے تو مرکز کا قانون حاوی ہو گا وہ اس لئے حاوی ہو گا کہ وہ فیڈرل پارلیمنٹ کا ہے اور اس میں تمام صوبوں کے نمائندے شامل ہوتے ہیں۔ اور خصوصاً پاکستان کی سینٹ کا یہ امتیاز ہے کہ وہاں ہر صوبے کو چاہے وہ بڑا ہے یا چھوٹا یکساں نمائندگی دی گئی ہے اور وہ ایک ایسا ادارہ ہے جہاں بڑے چھوٹے کا کوئی سوال نہیں ہے اور ہر صوبے کے انیس نمائندے ہیں اور صوبوں کے علاوہ فیڈرل ایریا کے نمائندے بھی شامل ہیں۔ تو ان تمام چیزوں کو سامنے رکھتے ہوئے میں یہ سمجھتا ہوں کہ شاید یہ تاثر صحیح نہیں ہے کہ صوبے کو قانون سازی کا اختیار نہیں ہے۔

سوال نمبر ۲

اسلامی قوانین کے ماخذ سے اکتساب کی صلاحیت۔

مولوی محمد غیاث الدین...... جناب والا! میں گذارش کروں گا کہ اس حقیقت سے انکار نہیں کہ یہ ہمارا اسلامی ملک ہے اور یہاں اسلامی قوانین کا اجرا ہمارے لئے ضروری ہے۔ اسلامی قوانین کے لئے جو ماخذ شریعت نے قرار دیئے ہیں وہ

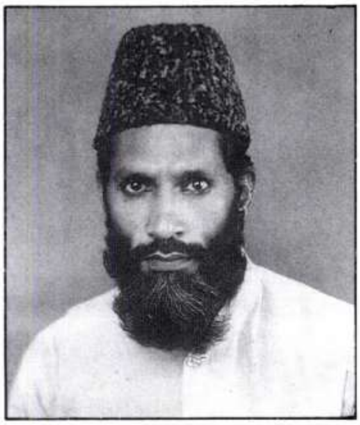

مولوی غیاث الدین ایم پی اے

چار ہیں پہلا قرآن مجید ' دوسرا حدیث مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تیسرا اجماع اور چوتھا قیاس۔ میں اپنے معزز حضرات سے یہ پوچھنا چاہوں گا کہ اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کہ ہماری اسمبلیوں میں جو حضرات منتخب ہو کر آتے ہیں وہ اکثر شریعت سے لاعلم اور نابلد ہوتے ہیں۔ ان میں میں بھی شامل ہوں۔ میری یہ بات کوئی صاحب محسوس نہ کریں جب چار ماخذ مقرر کئے گئے ہیں اور ان چاروں سے اکثر ہم نابلد ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ابھی ایک فاضل مقرر نے فرمایا تھا کہ ایک بل پر غور کرنے کے لئے قرآن کی رو سے یہ دیکھا جائے گا کہ صدقہ ' معروف اور اصلاح بین الناس کا لحاظ رکھا گیا ہے یہ تین چیزیں دیکھنے کے لئے ہمیں شریعت سے آگاہ ہونا پڑے گا جب ہم شریعت سے اکثر نابلد ہوتے ہیں تو پھر شریعت سے کس طرح رجوع کریں گے ؟۔

جواب

جناب وسیم سجاد...... جناب والا! یہ سوال حساس بھی ہے اور اہم بھی۔ جہاں تک قرآن حکیم اور سنت کا تعلق ہے اس میں میرے خیال میں کوئی اختلافی نقطہ نظر نہیں ہو سکتا۔ ہر مسلمان ہر جگہ قرآن اور سنت کو اعلیٰ ترین قانون تسلیم کرتا ہے اور اسی کو وہ شریعت بھی سمجھتا ہے۔

قیاس کی ایک شکل میرے خیال میں اجتہاد کی بھی بنتی ہے۔ اس کے بارے میں مختلف وقتوں میں مختلف نقطہ ہائے نظر سامنے آتے رہتے ہیں۔ مثلاً اس سے میرے خیال میں تو کوئی اختلاف نہیں کرے گا کہ یہ اسلامی قوانین کے ماخذ ہیں۔ لیکن اس میں لوگوں کی مختلف آرا ہیں کہ اجماع کن لوگوں کا ہونا چاہئے۔ پہلی چیز تو یہ ہے کہ کچھ لوگوں کا نقطۂ نظر ہے کہ اجماع مستند مجتہدین کا ہی ہونا چاہئے۔ اجماع باقاعدہ طور پر اکٹھے ہو کر فیصلہ کی صورت میں غالباً کبھی نہیں ہوا۔ اسلام میں اجماع Retrospective ہوا ہے یعنی علماء دین یا مجتہدین بیٹھے تو انہوں نے کہا کہ اس مسئلے پر اتفاق رائے پایا جاتا ہے۔ اس بارے میں کوئی اختلافی پہلو نہیں ہے لہٰذا اس پر اجماع ہوا ہے۔ اس کو میں Retrospective کہوں گا کیونکہ اجماع اس طرح نہیں ہوا کہ بیٹھ کر باقاعدہ ایک فیصلہ کیا گیا ہو کہ ہم اس پر متفق ہیں۔ اب اس بارے میں جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ کچھ اور نقطہ نظر بھی سامنے آتے ہیں۔ مثلاً علامہ اقبالؒ نے اپنی کتاب Reconstruction of Religious thoughts in Islam میں جب اجماع کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ اجماع قانون سازی کا ایک طریقہ ہے منبع یا ماخذ ہے اور آج کل یعنی موجودہ دور میں یہ کس طرح استعمال ہو سکتا ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے اور میرے خیال میں اس سے اب لوگ اتفاق کریں گے اور شاید کچھ لوگ اختلاف بھی کریں۔ ان کے خیال میں موجودہ دور کی مسلمان پارلیمنٹ جب اکثریت سے کوئی اجتماعی فیصلہ کرتی ہے تو وہ بھی اجماع ہے۔ اجماع ایک انسانی کوشش کا نام ہے اگرچہ وہ قرآن اور سنت کی روشنی میں کیا جاتا ہے اگر اجماع ہو گیا مثلاً ایک چیز پر اجماع ہو گیا ہے اور وہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو قانون سازی کا مسئلہ ہے تو کیا اس میں بعد کے اجماع سے تبدیلی کی جا سکتی ہے ؟ اگر کی جا سکتی ہے تو وہ کون کرے گا؟ وہ کون لوگ ہیں جو اجماع میں شامل ہو سکتے ہیں ؟ کیا وہ مستند مجتہدین ہیں ؟ اگر مستند مجتہدین ہیں تو پھر ان کی تعریف کیا ہے وہ کون لوگ ہیں جن کو ہم مجتہد مانیں گے۔ اس کی کیا کوالیفیکیشن ہے۔ اس کے متعلق بھی لوگوں میں مختلف نقطہ ہائے نظر ہیں۔ اس طرح قیاس کے بارے میں ایک نقطہ نظر یہ ہے کہ امام شافعیؒ ' امام احمد بن حنبلؒ ' امام مالکؒ ' امام ابو حنیفہؒ یا ان کے شاگرد یا فقہ جعفریہ میں امام جعفرؒ نے جو اجتہاد کیا ہے اس پر ہمیں اکتفا کرنا چاہئے اور اس سے آگے نہیں بڑھنا چاہئے۔ اس امر کے بارے میں لوگوں میں مختلف آرا ہیں کہ قیاس اور اجماع کی کیا تعریف ہے۔ اس کو کس طرح کا ہونا چاہئے کس طرح کرنا چاہئے جو پارلیمنٹ بنتی ہے۔ اس میں جو لوگ آتے ہیں ضروری نہیں کہ وہ قرآن اور سنت سے پوری واقفیت رکھتے ہوں۔ یہ بات صحیح ہے اس کا ذکر انہوں نے اپنی کتاب میں بھی کیا ہے ہم سب لوگ مانتے ہیں کہ اعلیٰ ترین قانون قرآن و سنت ہے اور قانون سازی ان اصولوں کی روشنی میں ہوگی جو قرآن اور سنت میں طے کردہ ہیں آج کل جو پارلیمنٹ منتخب ہوتی ہے اس میں جو لوگ آتے ہیں ضروری نہیں کہ وہ قرآن و سنت سے واقف ہوں۔ اسی چیز کو سامنے رکھتے ہوئے ہمارے آئین میں یہ اصول رکھا گیا ہے کہ ایک اسلامی مملکت ہوتے ہوئے ہمارے ملک میں ایسا کوئی قانون نہیں ہونا چاہئے جو قرآن و سنت کے خلاف ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ آئین میں تین مراحل رکھے گئے ہیں تاکہ ہم اپنے نصب العین کے مطابق اپنا کام کریں۔ پہلی چیز تو یہ ہے کہ پارلیمنٹ کی ایک اجتماعی سوچ ہوتی ہے اور پارلیمنٹ میں چونکہ واضح اکثریت مسلمانوں کی ہے اس لئے پہلا فرض تو ارکان پارلیمنٹ کا اپنا ہے۔ کہ وہ دیکھیں کہ کوئی ایسا قانون نہ بنے جو قرآن اور سنت کے خلاف ہو۔ مثلاً اگر پارلیمنٹ میں ایک ممبر اٹھتا ہے اور وہ واضح طور پر قرآن کی روشنی میں یا حدیث کی روشنی میں ایک چیز بیان کرتا ہے کہ یہ قانون قرآن اور سنت کے خلاف ہے ' تو میں نہیں سمجھتا کہ وہ اسمبلی اس کا نوٹس نہیں لے گی۔ یہ پہلا مرحلہ ہے لیکن چونکہ یہ لوگ جو اسمبلی کے ارکان ہوتے ہیں وہ فنی لحاظ سے ماہر نہیں ہوتے لہٰذا ایک دوسرا مرحلہ بھی ہمارے آئین میں رکھا گیا ہے یہ پاکستان کے آئین کو دوسرے ممالک کی نسبت منفرد بنا دیتا ہے وہ یہ ہے کہ ایک کونسل آف اسلامک آئیڈیالوجی قائم کی گئی ہے جس سے آپ مشورہ لے سکتے ہیں اور آپ کو معلوم ہے کہ بہت سے ایسے مسائل کونسل آف اسلامک آئیڈیالوجی کے سامنے جاتے ہیں۔ اس نے اپنی آرا اور تجاویز بھی پیش کی ہیں اس طرح کی تجاویز ایک

رپورٹ کی شکل میں پارلیمنٹ کے سامنے آتی ہیں۔ قانون سازی کے بعد جب رپورٹ آجاتی ہے کہ یہ قانون غلط ہے تو آئینی ذمہ داری ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ کی روشنی میں قانون پر نظر ثانی کی جائے تیسرا مرحلہ یہ ہے کہ قانون بن گیا اور آپ نے مسلمان ہونے کی حیثیت سے یہ کوشش کہ کوئی قانون ایسانہ بنایا جائے جو قرآن و سنت کے مطابق نہ ہو۔ دوسرا مرحلہ بھی گزر گیا کہ یا تو اسلامی نظریاتی کونسل کو ریفرنس نہیں کیا گیا یا انہوں نے بھی کوئی ایسی رائے دے دی جو کہ صحیح نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود قانون بن گیا۔ تو اب فیڈرل شریعت کورٹ کو یہ اختیار ہے کہ وہ از خود یا کسی شخص کی درخواست پر پاکستان کے ہر قانون کا سوائے ان قوانین کے جن کا میں ذکر کروں گا۔ جائزہ لے سکتی ہے اور اس کے بعد یہ فیصلہ کر سکتی ہے کہ قانون، قرآن اور سنت کے مطابق ہے یا نہیں ہے۔ اگر یہ قانون اس کی نظر میں قرآن اور سنت سے متصادم ہے۔ تو وہ صوبائی اسمبلی، نیشنل اسمبلی اور پارلیمنٹ کو وقت دیتی ہے کہ اس قانون کو قرآنی اصولوں سے ہم آہنگ کر دیا جائے اور اگر اس مقررہ وقت کے دوران وہ قانون سازی نہیں کی جاتی تو اس کے بعد وہ خود بخود کالعدم ہو جائے گا۔ آپ نے تین چار دن پہلے اخبارات میں دیکھا ہو گا کہ سپریم کورٹ کی طرف سے ایک فیصلہ صادر کیا گیا ہے اور یہ فیصلہ سول سرونٹس ایکٹ کے بارے میں ہے سول سرونٹس ایکٹ میں ایک شق ہے کہ جب کوئی شخص اپنی ملازمت کے پچیس سال پورے کر لیتا ہے تو اس کو حکومت بغیر کسی جواز کے ریٹائر کر سکتی ہے یہ مسئلہ شریعت کورٹ میں اٹھایا گیا اور شریعت کورٹ نے کہا کہ یہ چیز قرآن اور شریعت کے منافی ہے کہ کسی شخص کو بغیر وجہ بتائے ریٹائر کر دیا جائے۔ اس کی اپیل سپریم کورٹ میں گئی اور سپریم کورٹ نے اس فیصلہ کو بحال رکھا ہے اور حکومت سے یہ کہا ہے کہ آپ چھ ماہ کے اندر اندر اس میں ترمیم کریں اور اگر ترمیم نہیں کرتے تو خود بخود یہ قانون کالعدم ہو جائے گا۔ یہی چیز شفع کے قانون میں ہے اس نے شفع کے قانون کی کچھ شقوں کے بارے میں کہا کہ یہ اسلام اور قرآن سے متصادم ہیں۔ ان کو درست کیا جائے اور اس فیصلہ کو سپریم کورٹ میں لے جایا گیا اور اس نے بھی اسی قسم کے احکام صادر کئے ہیں۔ تو ہمارے آئین میں یہ ایک ایسی چیز ہے جس سے ہمارا آئین ایک منفرد حیثیت رکھتا ہے کیونکہ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن و سنت اعلیٰ ترین قانون ہے اور ہم یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ہماری پارلیمنٹ کو اختیار نہیں ہے کہ وہ قرآن و سنت کے خلاف کوئی قانون بنائے۔ اسی لئے یہ ادارے قائم کئے گئے ہیں جو فنی ادارے ہیں اور جو فنی طور پر بتائیں گے کہ آپ سے یہ غلطی ہو گئی ہے۔ Complete Sovereignty of Parliament کا تصوّر جو کہ ایک انگلش تصوّر ہے کہ پارلیمنٹ ہر قسم کا قانون بنا سکتی ہے ہمارے ہاں نہیں ہے۔ ہمارے ہاں کچھ قیود ہیں جن کے اندر رہتے ہوئے ہم قانون سازی کرتے ہیں جس کے لئے ہم نے مختلف ادارے بنا دیئے ہیں۔ تو یہ ہمارا طریقہ کار ہے۔

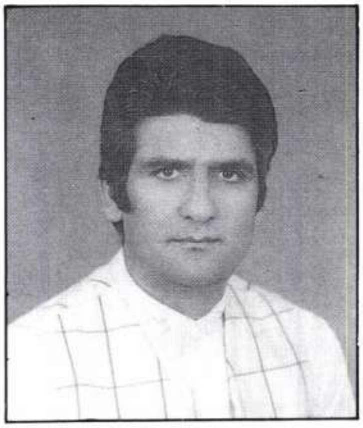

چودھری محمد رفیق ایم پی اے

سوال نمبر ۳

قواعد اسمبلی کو تبدیل کرنے کی ضرورت

چوہدری محمد رفیق...... میں میاں افضل حیات کے سوال کے جواب سے جو جناب وسیم سجاد نے دیا ہے مطمئن نہیں ہوں، میں سمجھتا ہوں کہ سوال کا کچھ حصہ وہ خوبصورتی سے ٹال گئے ہیں سوال تھا کہ صوبائی یا قومی اسمبلی کے رولز آف پروسیجر اتنے پرانے ہیں کہ ہر گورنمنٹ نے ان پر عمل کیا اور ان میں کوئی تبدیلی نہ کی گئی اس سے اسمبلی یا پارلیمنٹ کی فوقیت یا Sovereignty متاثر ہوتی ہے اس میں آزادانہ قانون سازی نہیں ہوتی۔ اس کے بارے میں وضاحت فرمائیں۔ کیونکہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ صوبائی اسمبلی یا قومی اسمبلی میں آزادانہ ہر موضوع پر بات ہونی چاہئے۔ ہوتا یہ ہے کہ اگر کسی موضوع پر بات کی جاتی ہے تو اس میں ہمارے رولز آف پروسیجر رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ میرے خیال میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔

جواب

جناب وزیر احمد جوگیزئی...... جناب سپیکر جہاں تک رولز آف پروسیجر کی بات ہے تو یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ رولز آف پروسیجر بالکل یہ چاہتے ہیں کہ ممبر حضرات کو زیادہ بولنے نہ دیا جائے۔

سوال نمبر ۴

اسمبلی کے سالانہ ایام کار میں اضافہ

چوہدری اکرام الحق...... جناب والا! گو اسمبلیاں بہت دیر بعد تشکیل پذیر ہوئی ہیں لیکن میں یہ فخر سے کہہ سکتا ہوں کہ پنجاب اسمبلی میں ۸۰ فیصد سے زیادہ ممبران اپنا ما فی الضمیر بڑی آزادی سے بیان کر سکتے ہیں۔ لیکن ہر اجلاس میں وقت

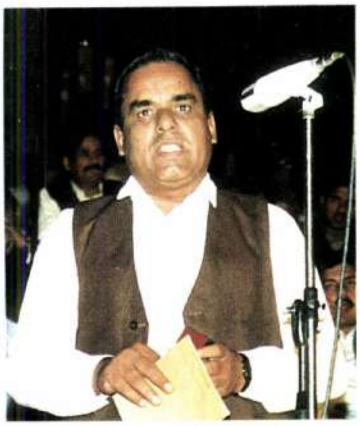

چودھری اکرام الحق ایم پی اے سوال پوچھ رہے ہیں۔

رکاوٹ بنا ہے جس طرح قومی اسمبلی نے دسویں ترمیم کے ذریعے ایام کی میعاد اپنی ضرورت کے مطابق کم کر دی ہے۔ کیا آپ پنجاب اسمبلی کے بارے میں سوچیں گے کہ پنجاب اسمبلی کے ایام کار جو کہ ۷۰ مقرر ہیں ان کو کم از کم ۹۰ دن کر دیا جائے۔

جواب

جناب وسیم سجاد...... جناب والا! جو سوال ایام کار کے بارے میں تھا اس سلسلے میں آئین کی دسویں ترمیم کی بحث کے دوران میں نے تفصیلاً وہاں یہ عرض کیا تھا کہ اس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ اسمبلی ۱۳۰ دن سے زیادہ کام کرنا چاہے تو نہیں کر سکتی بلکہ یہ وہ کم سے کم مدت ہے جو آئین میں متعین کر دی گئی ہے اور یہ بھی ایک لحاظ سے منفرد چیز ہے دنیا کے بیشتر ممالک ایسے ہیں جہاں پر کم از کم مدت کا تعین سرے سے کیا ہی نہیں گیا اور یہ کام اسمبلی پر چھوڑ دیا گیا ہے مثلاً انگلستان میں کوئی ایسا قانون نہیں ہے جو یہ کہے کہ انگلستان کے ہاؤس آف کامنز کا اتنے دنوں کے لئے لازماً اجلاس ہو گا، ہندوستان کے دستور میں بھی ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اس لئے کام کی نوعیت کے مطابق اگر آپ نوے دن سے زیادہ کام کرنا چاہیں تو کوئی آپ کو روک نہیں سکتا۔ اگر آپ کے ایک چوتھائی ارکان یہ چاہیں کہ ہم اجلاس بلانا چاہتے ہیں اور حکومت نہ بھی چاہے تو آپ اجلاس بلا سکتے ہیں یہ Requisition-ing Power اس لئے دی جاتی ہے کہ یہ حکومت کے اختیار میں نہ ہو۔ سپیکر صاحب مجبور ہوں گے کہ اجلاس بلائیں اور پھر اس اجلاس کو حکومت ملتوی بھی نہیں کر سکتی وہ بھی سپیکر کے اختیار میں ہو گا۔ لہٰذا یہ ضروری نہیں کہ آپ صرف ۹۰ دن کام کریں یا ۷۰ دن کام کریں یا ۶۰ دن کام کریں۔ کم از کم ۷۰ دن اس لئے رکھے گئے ہیں کہ چاہے کام ہو یا نہ ہو حکومت اجلاس بلانا چاہتی ہو یا نہ چاہتی ہو ۷۰ دن تو خواہ مخواہ آپ کو کام کرنا ہے اس کے بعد آپ جتنے دن چاہیں آپ کی مرضی ہے اس پر کوئی قدغن نہیں ہے۔

چوہدری اکرام الحق

جناب سپیکر میں آپ کی وساطت سے جناب وزیر قانون سے یہ گذارش کرنا چاہوں گا کہ حکومت تو کبھی بھی نہیں چاہتی کہ مقررہ مدت سے زیادہ اجلاس منعقد ہو اس لئے میری یہ گذارش ہے کہ اس سلسلے میں آئین میں ترمیم کر دی جائے۔

جناب وسیم سجاد۔

میرے خیال میں یہ تاثر غلط ہے کہ اجلاس کی میعاد ۲۰ دن زیادہ ہو جانے سے حکومت گر جائے گی یا احتساب کا عمل اتنا سخت ہو جائے گا کہ حکومت برداشت نہیں کر سکے گی۔ یہ تاثر میرے خیال میں صحیح نہیں ہے جہاں تک احتسابی عمل کا تعلق ہے تو خواہ پارلیمنٹ کا اجلاس ہو رہا ہو یا نہ ہو رہا ہو جاری رہتا ہے کیونکہ جمہوریت میں ممبر اسمبلی کی اپنی ایک انفرادی حیثیت بھی ہوتی ہے۔ آپ اس سلسلے میں بیانات دیتے رہتے ہیں پریس بھی ایک رول ادا کرتا ہے۔ کم از کم مدت کا تعین آئین میں کیا گیا ہے جو کہ بہت سے دستوروں میں نہیں ہے جب کہ اس کا تعین پاکستان میں کیا گیا ہے۔ اگر آپ کے پاس ۲۰۰ دنوں کا کام ہے تو آپ ۲۰۰ دن بھی کام کر سکتے ہیں آپ بیشک ۲۰۰ دن کام کریں۔ حکومت کے اختیار میں یہ ضرور ہے کہ وہ اجلاس بلائے لیکن اس کے علاوہ اگر آپ کے پاس کوئی ایسا مسئلہ ہے تو ایک چوتھائی ممبر بھی یہ اجلاس منعقد کر سکتے ہیں۔

سوال نمبر ۵

پنجاب اسمبلی کی قرار داروں پر وفاقی حکومت کا عدم التفات

چوہدری اکرام الحق۔

پنجاب اسمبلی نے مختلف اوقات میں کچھ قرار دادیں وفاقی حکومت کو کارروائی کے لئے بھیجی ہیں۔ پنجاب اسمبلی ملک کی آدھی سے زیادہ آبادی کی ترجمانی کرتی ہے لیکن یہ افسوس کا مقام ہے کہ مرکز کی طرف سے ان پر کارروائی کرنا تو در کنار میرے علم کے مطابق ان کو Acknowledge بھی نہیں کیا گیا۔ کیا آپ اس کی وجہ بتا سکیں گے؟۔

جواب

جناب وسیم سجاد وفاقی وزیر انصاف و پارلیمانی امور۔

ریزولیشن کے بارے میں چونکہ مجھے تفصیل نہیں دی گئی کہ کون سے ایسے ریزولیشن ہیں جو بھیجے گئے ہیں اور جن پر عمل در آمد نہیں ہوا۔ اب چونکہ آپ نے میری توجہ اس طرف دلائی ہے میں ضرور جا کر دیکھوں گا کہ کون سے ایسے ریزولیشن ہیں جو آپ کی جانب سے وفاقی حکومت کو موصول ہوئے اور ان پر کوئی ایکشن نہیں ہوا۔ لیکن میں یہ بھی عرص کرتا چلا جاؤں کہ جب آپ کوئی ریزولیشن بھیجتے ہیں تو لازمی بات ہے کہ آپ چاہتے ہیں کہ مرکزی حکومت اس پر قانون سازی کرے یا ایکشن لے، تو یہاں میں یہ عرض کروں گا کہ فیڈرل گورنمنٹ کو ملکی سطح پر سوچنا ہوتا ہے ہو سکتا ہے کہ پنجاب اسمبلی کی طرف سے ایک رائے آئی ہو اور سندھ اسمبلی کی

طرف سے کوئی مختلف رائے آئی ہو' یا سرحد بلوچستان کی طرف سے کوئی اور رائے آئے۔ اگر اس پر سارے صوبے راضی ہیں پھر تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس میں کوئی ایسی دقت نہیں پیش آنی چاہئے کہ فیڈرل حکومت آپ کی خواہش کے مطابق کام نہ کرے لیکن چونکہ اس وقت میرے پاس تفصیل نہیں اس لئے میں دیکھ کر آپ کو بتاؤں گا۔

سوال نمبر۶

تحاریک پیش کرنے کی اجازت

چوہدری اکرام الحق

میرے علم میں یہ بات آئی ہے کہ قومی اسمبلی میں اکثر تحاریک التوائے کار اور تحاریک استحقاق ' جناب سپیکر 'ان کے قانونی تقاضوں کے پیش نظر اپنے چیمبر میں ہی ختم کر دیتے ہیں۔ جبکہ پنجاب اسمبلی میں روایت اس کے برعکس ہے یہاں پر بعض اوقات ایک تحریک استحقاق یا تحریک التوائے کار پر دو دو گھنٹے بحث ہوتی ہے اور اس کے بعد اس کو Out of order قرار دے دیا جاتا ہے۔ حالانکہ ان میں بہت سی تحاریک خصوصاً "تحاریک التوائے کار مرکزی حکومت یا دوسرے صوبوں سے متعلق ہوتی ہیں یا رولز آف پروسیجر سے اتنی متصادم ہوتی ہیں کہ ان کے اسمبلی میں پیش ہونے کا کوئی جواز ہی نہیں ہوتا۔ ان دونوں میں سے کون سا طریق کار زیادہ پسندیدہ یا بہتر ہے؟

جواب

جناب سردار وزیر احمد جوگیزئی۔

جناب سپیکر! آپ کی اجازت سے میں یہ عرض کروں گا کہ جہاں تک تحریک ہائے التوائے کار اور تحریک ہائے استحقاق کا تعلق ہے ان کا ایک واضح مقصد ہوتا ہے ایک تو اس میں Recent Occurrence ہونی چاہئے۔ Public Importance ہونی چاہئے اور وہ تحریک Controversy پیدا نہ کرے اور واقعی ایسا معاملہ ہو کہ جس پر اسمبلی کی توجہ دلائی جا سکے۔ لیکن چونکہ آپ نے پروسیجر کی بات کی ہے تو میں یہ عرض کروں گا کہ ہمارے پروسیجر میں Lucanae موجود ہیں اور وہ یوں ہے کہ ابھی تک ہماری اسمبلیوں میں Calling attention Notice کی پرویژن نہیں ہے اور ہم تحریک التواء صرف اس لئے پیش کرتے ہیں کہ ممبر صاحبان کی جو Grievances ہیں ان کو Ventilation ملے تاکہ وہ اپنا حق نمائندگی ادا کریں۔ اس سے زیادہ اس تحریک التوائے کار میں کچھ نہیں ہوتا لیکن ہم نے عملی طور پر یہ دیکھا ہے کہ اس اجلاس میں تقریباً ایک ہزار سے زائد تحاریک التوائے کار آ جاتی ہیں۔ آپ خود خیال کریں کہ ایک اجلاس میں اگر ایک ہزار سے زائد تحاریک التوائے کار آ جائیں تو پھر ان کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہئے۔ ہونا بھی وہی چاہئے جو ہم ان کے ساتھ کرتے ہیں۔ میں خود کہتا ہوں کہ میں Slaughter House میں جا رہا

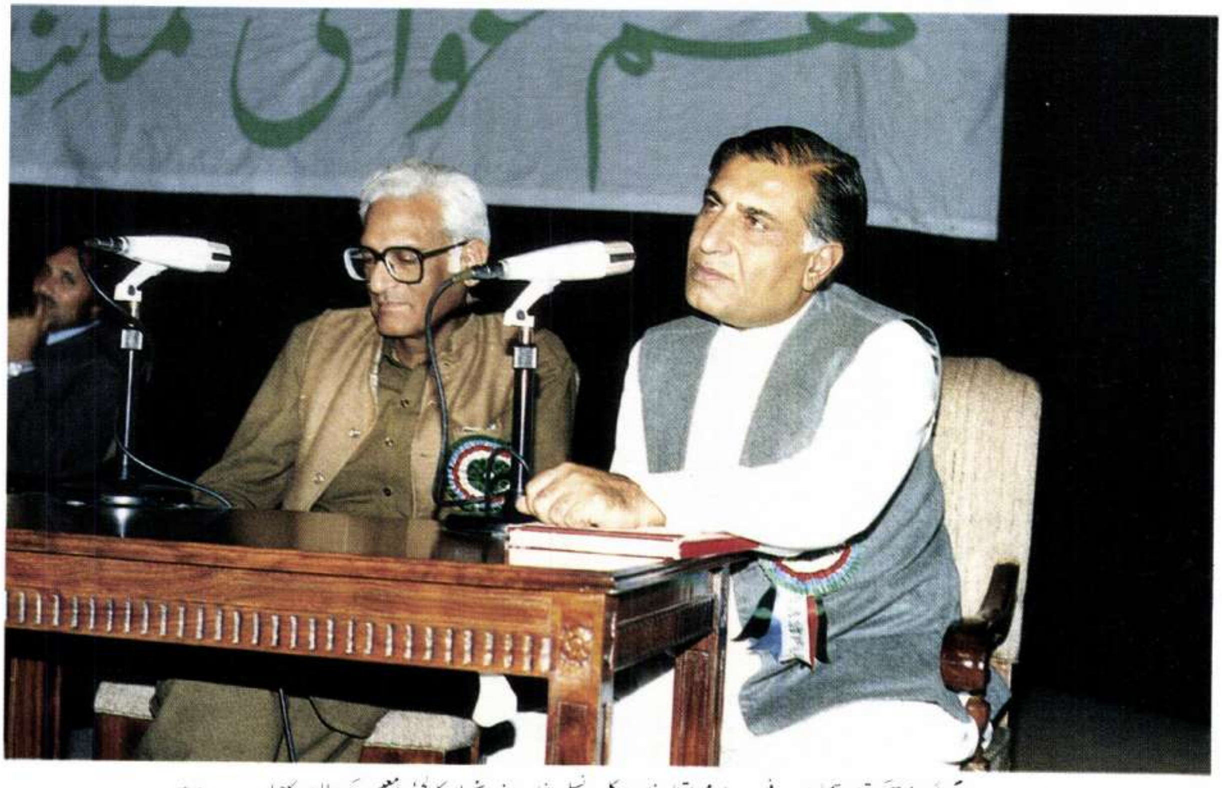

سردار وزیر احمد جوگیزئی ڈپٹی سپیکر قومی اسمبلی اور پروفیسر سردار محمد اقبال خان موکل پرنسپل پنجاب یونیورسٹی لاء کالج' سامعین کے سوالوں کا جواب دے رہے ہیں۔

ہوں اور متعلقہ ممبر کو بلاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ آپ خود اسے ذبح کریں کیونکہ اس میں وزن نہیں ہے تحریک التوائے کار پیش کرنے کا یہ کوئی طریقہ نہیں کہ آپ اخبار کو پھاڑتے رہیں اور اس کو چپکاتے رہیں اور اسمبلی سیکرٹریٹ میں بھیجتے رہیں کہ یہ ہماری تحریک التواء ہے۔ بہت ساری خبریں اخبار میں غلط ہوتی ہیں اور جو صحیح ہوتی ہیں تو وہ ویسے بھی آجاتی ہیں ممکن ہے کہ Media کے کچھ حضرات ناراض ہوں۔

بہرحال تحاریک کا ایک مقصد ہوتا ہے اور Developed Parliament میں تحریک ہائے التواء کار یا تحاریک استحقاق ہوتی ہی نہیں ہیں۔ لیکن میں آپ کو یہ یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ جمہوری عمل اگر جاری رہے، پارلیمنٹ کا عمل جاری رہے تو یہ تحاریک التوائے کار اور اور تحاریک استحقاق جو ہمارے ہاں بہت نازک واقع ہوتی ہیں اس طرح سے نہیں ہوں گی۔ پنجاب اسمبلی کے سپیکر تو آپ کے ساتھ نرمی کر رہے ہیں میں ان سے یہ عرض کروں گا کہ وہ زیادہ نرمی نہ کریں۔

جناب سپیکر

میں اس سلسلے میں یہ وضاحت کروں گا کہ ہمارے ہاں پوزیشن ذرا مختلف ہے ہمارے ہاں ایک اجلاس میں تحاریک التواء زیادہ سے زیادہ ۷۰ تک آئی ہیں اور ۷۰ سے زیادہ میرے خیال میں کبھی نہیں آئیں۔ جب کہ آپ کے ہاں قومی اسمبلی میں جیسا کہ آپ فرما رہے ہیں کہ ہر اجلاس میں ایک ہزار سے زائد تحاریک التوائے کار پیش ہوتی ہیں تو آپ کے پاس اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ آپ ان کو قتل یا ذبح کریں لیکن ہمارے پاس چارہ کار ہے کہ ہم اپنے معزز اراکین اسمبلی کی آوازوں پر کان دھر سکیں اور ان کو اپنے دلوں کا غبار نکالنے کا موقعہ دے سکیں۔

سوال نمبر ۷

اسلامی قانون کا نفاذ

چوہدری محمد اعظم چیمہ۔

میں جناب وسیم سجاد سے یہ پوچھنا چاہوں گا کہ آئین میں ہے کہ ہمیں اسلامائزیشن کی طرف جانا چاہیے اور ہمارے عوام کی بھی یہ ڈیمانڈ ہے۔ کیا کوئی ایسا طریقہ ہو سکتا ہے کہ ہم جلد از جلد عوام کی خواہش کے مطابق قوانین کو اسلامی بنالیں اور اس کے ساتھ ہی مجھے یہ بھی پوچھنا ہے کہ جس طرح عشر اور زکواۃ کا قانون بنا ہے اور فقہ جعفریہ اور دوسرے فقہ کی بناء پر زکوۃ اور عشر کے قانون میں تصادم ہوا ہے، قانون میں ہمیشہ اسی طرح ہوتا ہے۔ کیا یہ بات کسی قسم کی رکاوٹ بنے گی؟

جناب والا نے اشارہ کیا تھا کہ ایسے انسٹی ٹیوشن ہونے چاہئے جو پارلیمنٹرین کے لئے ٹریننگ سنٹر کا کام دیں۔ وسیم سجاد صاحب اس بات سے اتفاق کرتے ہیں اور اس سلسلے میں وہ کونسا طریقہ بہتر سمجھتے ہیں؟

چودھری محمد اعظم چیمہ ایم پی اے
سوال پوچھ رہے ہیں

جواب

جناب وسیم سجاد۔

جہاں تک اسلامائزیشن پروسس کا تعلق ہے ۱۹۷۳ء کے آئین میں جو متفقہ طور پر مرتب کیا گیا تھا بہت سی شقیں ایسی موجود ہیں جن کے ذریعے کوشش کی گئی ہے کہ اسلامائزیشن پروسس نہ صرف جاری ہو بلکہ مکمل ہو اور وہ ہمارے قانون، عدالتی اور پورے معاشی نظام پر پوری طرح حاوی ہو۔ مثلاً آپ اس بارے میں شروع سے ہی دیکھیں کہ ایک تو Objective Resolution ہے جس میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ

"Sovereignty over the entire Universe belongs to Almighty Allah alone, and the authority to be exercised by the people of Pakistan within the limits prescribed by Him is a sacred trust;"

یہی ہمارے آئین کی بنیاد ہے۔ پھر آرٹیکل ۲ میں لکھا گیا ہے کہ پاکستان کا مذہب اسلام ہو گا۔ اس کے بعد کونسل آف اسلامک آئیڈیالوجی کے بارے میں شقیں موجود ہیں کہ قانون سازی کے مختلف مراحل میں یہ فنی ادارہ کس طرح ہماری پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں کی معاونت کرے گا تا کہ کوئی قانون ایسا نہ بن سکے جو قرآن و سنت سے متصادم ہو۔ اسی طرح فیڈرل شریعت کورٹ ہے جس میں علما بھی ہیں اور جج صاحبان بھی ان کا یہ کام ہے کہ وہ اسلامائزیشن پروسس کو آگے بڑھائیں۔ اب آپ کہہ رہے ہیں کہ اس کو مزید آگے کیسے بڑھایا جائے۔ اس میں ایک تو نویں ترمیم کے ذریعے ایک ڈیکلیریشن یعنی Affirmation عوام اور ان کے نمائندوں کی طرف سے ہے کہ ملک کا اعلیٰ ترین قانون قرآن اور سنت ہو گا اور پالیسی سازی کے لئے بھی سب سے اعلیٰ ماخذ قرآن و سنت ہوں گے پھر اس ترمیم کے ذریعے یہ بھی کوشش کی جارہی ہے کہ جو قوانین فیڈرل شریعت کورٹ کے دائرہ اختیار سے باہر رکھے گئے تھے، ان میں Fiscal Laws فیملی لاز اور پروسیجرل لاز شامل ہیں یہ تینوں قسم کے قوانین اس کے دائرہ اختیار سے باہر رکھے گئے تھے۔ اب اس ترمیم کے ذریعے، اگر یہ اس طرح من و عن

پاس ہو جاتی ہے جس طرح یہ پیش کی گئی ہے اور سینٹ میں پاس بھی ہو چکی ہے اور نیشنل اسمبلی میں آ گئی ہے تو یہ تمام قوانین بھی شریعت کورٹ کے دائرہ اختیار میں آ جائیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ بتدریج ملک میں کوئی قانون ایسا نہیں رہے گا، جو قرآن اور سنت سے متصادم ہو۔ اس کے علاوہ کچھ چیزیں ایسی ہیں جو پالیسی سازی سے تعلق رکھتی ہیں۔ مارشل لاء کے دوران آپ نے دیکھا کہ زکوۃ اور عشر کا آرڈیننس نافذ کیا گیا قوانین حدود، اسلامی نظریات، اسلامی تعلیمات اور اسلامی قوانین کی روشنی میں بنائے گئے ہیں اس طرح یہ عمل جاری ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ سب سے زیادہ موثر طریقہ جہاں تک قانونی اور عدالتی نظام کا تعلق ہے وہ فیڈرل شریعت کورٹ اور کونسل آف اسلامک آئیڈیالوجی کا ہے۔ ہر قانون کو دیکھا جا رہا ہے اور اس میں اگر اسلامی نقطہ نظر سے کسی ترامیم کی ضرورت ہے تو وہ کی جا رہی ہے۔ اور انشاءاللہ یہ تجربہ کامیاب ہو گا۔

جناب فضل حسین راہی
ایم پی اے سوال پوچھ رہے ہیں۔

سوال نمبر۸

قواعد اسمبلی میں ترمیم کا طریق کار

جناب فضل حسین راہی

جناب والا میری وسیم سجاد صاحب سے درخواست ہے کہ بظاہر تو ہم یجسلیشن کرتے ہیں لیکن پنجاب اسمبلی کے رولز آف پروسیجر ہمارے راستے میں رکاوٹ بنتے ہیں یا جب ہم یہ سمجھتے ہیں کہ فلاں شق پنجاب کے عوام کے خلاف جاتی ہے اور اس کو تبدیل ہونا چاہئے تو ہمیں رولز میں کوئی ایسا قاعدہ نظر نہیں آتا جس کے تحت ہم اس امر کا نوٹس دے سکیں کہ ہم رولز آف پروسیجر کی فلاں شق میں اس طرح کی تبدیلی چاہتے ہیں۔

جواب

جناب سپیکر۔

یہ سوال اس بحث سے متعلقہ نہیں ہے۔ اسمبلی کے پاس مکمل اختیارات ہیں کہ وہ اپنے رولز میں ترمیم کر سکے۔

جناب فضل حسین راہی

نہیں اگر اسمبلی کا کوئی ایک ممبر موو کرنا چاہے تو اس کے لئے کوئی قاعدہ نہیں ہے۔ مثلاً میں عرض کرتا ہوں کہ پنجاب اسمبلی کے رول ۱۹۲ کے تحت ہماری اسمبلی کی عمومی زبان اردو ہے لیکن اس کے علاوہ اگر کسی رکن کو پنجابی یا کسی اور زبان یا علاقائی زبان میں بات کرنا ہو تو اس کو سپیکر سے اجازت لینا پڑے گی اس طرح سے اس کو پابند کر دیا گیا ہے لیکن اس کے باوجود جب ہم انگریزی اختیار کرتے ہیں تو اس کے لئے سپیکر سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اس طرح یہ دقت پیش آتی ہے۔ کیا آپ اس بات کو جائز تسلیم کرتے ہیں کہ صوبے کی زبان کو اسمبلی کے لئے مستعمل بنایا جائے؟۔ اس سلسلے میں آپ ہماری کوئی مدد کر سکیں تو ضرور فرمائیے۔

جناب سپیکر۔

راہی صاحب رولز میں ترمیم ہو سکتی ہے۔ اس میں موو بھی کیا جا سکتا ہے اس کے موو کرنے کا طریقہ کار بھی ہے۔ اس پر غور ہو سکتا ہے۔ اسمبلی مجاز ہے۔

جواب

جناب وسیم سجاد۔

جناب والا میں آپ کی اس رائے سے مکمل اتفاق کرتا ہوں کہ اسمبلی کے جو رولز ہیں ان میں یہ گنجائش موجود ہے کہ ان میں ترمیم کی جائے۔ موجودہ رولز غالباً آئین کے آرٹیکل ۶۷ کے تحت بنائے جاتے ہیں اور یہ گورنر صاحب نے صوبائی اسمبلیوں کے لئے اور پریذیڈنٹ صاحب نے نیشنل اسمبلی اور سینٹ کے لئے بنائے ہیں لیکن یہ عارضی قسم کے رولز ہیں۔ اسمبلی مجاز ہے کہ وہ نئے رولز سامنے لائے نیشنل اسمبلی اور سینٹ میں ہم نے یہ سلسلہ شروع کر دیا ہے کہ ہم اپنے نئے رولز بنائیں اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ ترمیم بھی پیش کی جا سکتی ہے اور اس کے لئے طریقہ کار وضع کر دیا گیا ہے۔ لیکن جمہوریت کی بنیاد اکثریت پر ہوتی ہے۔ اگر ایک شخص کی ایک رائے ہے اور باقی صاحبان اس سے اتفاق نہیں کرتے تو لازمی بات ہے کہ ترمیم قبول نہیں کی جائے گی۔

سوال نمبر۹

قواعد کی معطلی

ملک ممتاز احمد خان بھچر -

جناب عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ رولز کو معطل کر کے Hasty Legislation کی جاتی ہے آپ کی رائے میں کیا یہ جھٹکا نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ کیا آپ سینٹ اور قومی اسمبلی کی قانون سازی کی رفتار سے مطمئن ہیں؟

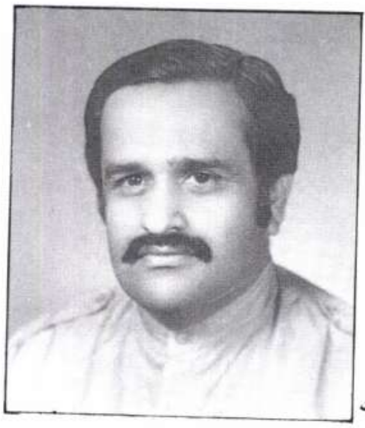

ملک ممتاز احمد خان بھچر ایم پی اے

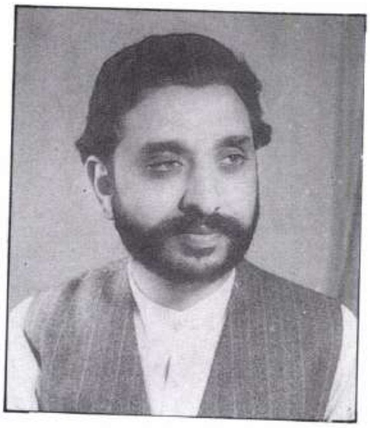

سردار غلام عباس ایم پی اے

جواب

جناب وسیم سجاد۔

پہلا سوال رولز کی معطلی کے بارے میں تھا۔ رولز کو عام طور پر معطل نہیں کیا جاتا۔ رولز بنائے ہی اس لئے جاتے ہیں کہ عام حالات میں ان کے مطابق کام کیا جائے۔ لیکن کئی دفعہ ایسی صورتحال پیش آتی ہے کہ آپ کوئی کام کرنا چاہتے ہیں تو رولز آپ کے راستے میں رکاوٹ بن جاتے ہیں نیشنل اسمبلی میں سوالات کے لئے ایک گھنٹے کا وقفہ ہوتا ہے اور وہ رولز کے مطابق لازمی ہے۔کئی دفعہ اسے معطل کر دیا جاتا ہے۔ کیونکہ سوالات کے جوابات تیار نہیں ہوتے۔ چونکہ ۱۳ دن کا نوٹس دینا ہوتا ہے اگر کسی وجہ سے ۱۳ دن کا نوٹس نہیں دیا جا سکا تو اس دن جوابات تیار نہیں ہوتے۔ لہٰذا مجبوری ہوتی ہے اور اسے معطل کرنا پڑتا ہے اسی طرح کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ہنگامی صورت حال کے تحت آپ کو کوئی رول معطل کرنا پڑتا ہے تو وہ بھی اکثریت کی مرضی سے ہوتا ہے۔ سپیکر از خود کسی رول کو معطل نہیں کر سکتا اور یہ جو آپ نے کہا ہے کہ عام طور پر ایسا ہوتا ہے تو یہ صحیح نہیں ہے۔

دوسری بات آپ نے فرمائی کہ کیا قانون سازی کی رفتار سے میں مطمئن نہیں ہوں، لیکن جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے کہ میں تبدیلی برائے تبدیلی کے حق میں بھی نہیں ہوں۔قانون سازی ایک بہت گہری سوچ کا نتیجہ ہوتی ہے اور انشاءاللہ آپ دیکھیں گے کہ جہاں تک سینٹ اور نیشنل اسمبلی کا تعلق ہے آئندہ زیادہ قانون سازی ہوگی۔ اور ایام کار میں جو کمی کی گئی ہے اس سے بھی بہتری ہوگی۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ اس سے کام کم ہو گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس سے زیادہ اور بہتر کام ہو گا۔

سوال نمبر ۱۰

پولیس ایکٹ میں ترمیم

سردار غلام عباس

جناب والا! میں صرف ایک سوال وسیم سجاد صاحب سے کرنا چاہوں گا کہ ہمارا پولیس ایکٹ اٹھارویں صدی کا ہے۔ اور یہ آج کے حالات اور ہماری ضروریات کے بالکل مطابق نہیں ہے۔ کیا آپ یہ بیان فرمانا پسند فرمائیں گے کہ دو سال میں ہماری اسمبلیوں نے کہاں تک آگے قدم بڑھایا ہے یا اس کے بعد قانون کو تبدیل کرنے میں پولیس ایکٹ میں تبدیلیاں لانے کے لئے ہم کیا کچھ کرنا چاہتے ہیں؟

جواب

جناب وسیم سجاد۔

پولیس ایکٹ کے سلسلے میں غالباً آپ کا اشارہ اس طریقہ کار کے بارے میں ہو گا جسے ہم تفتیشی عمل کہتے ہیں کیونکہ پولیس ایکٹ میں زیادہ تر چیزیں پولیس کی ایسٹیبلشمنٹ کے بارے میں ہیں، پھر کچھ ضمنی چیزیں بھی ہیں کہ پولیس کو جلوس کنٹرول کرنے کے بارے میں اختیارات حاصل ہیں۔ آپ کا روز مرہ زندگی میں پولیس سے واسطہ پڑتا ہے اور اس میں بہت سی مشکلات سامنے آتی ہیں۔ پولیس رولز میں بھی بہت ساری چیزیں ہیں۔ رولز میں تو پولیس کی انٹرنل ایڈمنسٹریشن کا ذکر بھی آتا ہے ان کی سنیارٹی ان کی تربیت اور کی تقرریوں کا ذکر ہوتا ہے۔ میرے خیال میں آپ کا اشارہ ان چیزوں کی طرف ہے جو عوام سے تعلق رکھتی ہیں اور اس میں یہ ہے کہ مثلاً ایف آئی آر ریکارڈ کی جاتی ہے۔ وہ صحیح یا غلط ہے اور پھر اس میں تاخیر ہوتی ہے اور پھر لوگوں کو شکایات ہیں کہ صحیح طور پر تفتیش نہیں ہوتی! اس میں بدعنوانی کا عمل دخل ہوتا ہے چالان وقت پر پیش نہیں کئے جاتے ایماندارنہ طریق پر تفتیش نہیں ہوتی۔ صحیح بات یہ ہے کہ اس سے عوام کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اس میں کچھ مشکلات ایسی ہیں جو غالباً قانون سازی کے ذریعے سے درست کی جا سکتی ہیں۔ کچھ مشکلات ایسی ہوں گی جن کا قانون سے تعلق نہیں ہے اور وہ ہمارے عام معاشرے سے تعلق رکھتی ہیں۔ یعنی ہماری اجتماعی قدریں بن گئی ہیں اور ہماری اجتماعی مشکلات ہیں جو بدعنوانیاں اس معاشرے میں آچکی ہیں اس میں غالباً ہم سب شامل ہیں۔میں بھی میرے بھائی بھی شامل ہوں گے۔ ہم سب پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کچھ چیزیں ایسی ہیں کہ جن کا حل قانون سازی کے ذریعے حاصل ہو سکتا ہے۔ اس کے بارے میں سوچ شروع ہو چکی ہے اور یہ ایک مسئلہ ہے کہ جس میں صوبائی اسمبلی بھی کچھ نہ کچھ کام کر سکتی ہے۔میں چاہوں گا اور میں آپ سے

درخواست بھی کروں گا کہ اس بارے میں آپ سوچیں یعنی آپ میں سے کچھ لوگ دیہات سے اور کچھ شہروں سے تعلق رکھتے ہیں وہ اپنی آراء سے ہمیں بھی نوازیں اور ہمیں بتائیں کہ کس طریقے سے اس مسئلہ کو حل کیا جائے۔ یہ آسان نہیں کہ ہم کہیں کہ آج ہم قانون پاس کر دیں گے اور یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔ اس پر سوچنے کی ضرورت ہے۔ آپ کی آرا سامنے آنی چاہئیں تاکہ ان پر فکر و عمل کا آغاز ہو سکے۔ صوبائی اسمبلی کو بھی چاہئے کہ ان پر غور کرے۔ ہم نے وزارت کی سطح پر اس کے متعلق سوچ شروع کر دی ہے۔ اور وزیراعظم صاحب نے نیشنل اسمبلی کے ممبران کی ایک کمیٹی تشکیل دی ہے اِس کے سامنے بھی پولیس، اس کی تفتیش اور مشکلات کے بارے میں حل طلب مسائل ہیں۔

سوال نمبر ۱۱

اسلامی نظام حکومت میں حزب اختلاف کا وجود

جناب ایم ایم خاں

میں صرف ڈاکٹر موکل صاحب سے ایک سوال کرنا چاہوں گا کہ اسلامی قانون سازی میں حزب اختلاف کا وجود ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو آپ کے خیال میں بہترین قانون سازی کے لئے اس کی کتنی تعداد حزب اقتدار کے ساتھ ہونی چاہئے اور کیا یہ مفید ہو گا کہ حزب اختلاف اس کے لئے شیڈو گورنمنٹ تشکیل دے تاکہ قانون سازی پر اس کی تنقید مفید ثابت ہو اور وہ محض اختلاف برائے اختلاف نہ ہو۔

دوسرا سوال میں جوگیزئی صاحب سے کرنا چاہتا تھا کہ کیا پہلے تحاریک التواء اور تحاریک استحقاق کی تعداد اتنی ہی تھی جتنی آج کل ہے یا اب یہ کچھ بڑھ گئی ہے اور کیا وہ سمجھتے ہیں کہ بہت ساری تحاریک التوا کو اگر ممبران صاحبان نہ پیش کریں تو یہ بہتر ہو گا یا وہ ویسے ہی اس کا کہیں ذکر کر لیں، کسی ڈیپارٹمنٹل لیول پر یا کسی ادارے میں بجائے اس کے کہ وہ محض بحث کے لئے اور اسمبلی کا وقت ضائع کرنے کیلئے پیش ہوں۔ شکریہ!

جواب

سردار محمد اقبال موکل

جناب والا۔ یہ بڑا اچھا سوال ہے شاید مجلس شوریٰ کے بارے میں کوئی غلط فہمی پیدا ہوئی ہو۔ خدا تعالیٰ کی مجلس شوریٰ کا ذکر کرتے ہوئے میں نے کہا تھا کہ اختلاف کرنے کے لئے ایک فرد باقی رہ گیا اور دوسرے ایک طرف ہو گئے اِس کا مختصراً جواب دیتے ہوئے میں آپ کی خدمت میں عرض کروں گا کہ شوریٰ کا ہونا ہی اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اس میں مختلف آلارا لوگ موجود ہوں گے جن کے خیالات ضروری نہیں کہ ایک دوسرے سے منطبق ہوں بلکہ وہ ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہوں گے۔ دوسری بات جو اسی بات کو ثابت کرتی ہے وہ یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے متعدد بار یہ بات فرمائی کہ میری امت کا اختلاف ایک رحمت ہے، اگر میری امت میں اختلاف موجود ہے اور اختلافی آراء موجود ہیں تو وہ کبھی کسی غلط فیصلے پر نہیں پہنچے گی۔ اس سے بہتر حزب اختلاف آپ کسی ملک میں نہیں پائیں گے۔

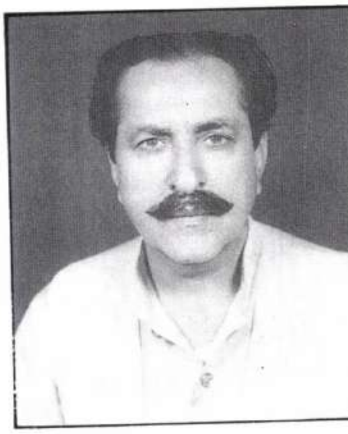

مہر محمد ظفر اللہ خان بھروانہ
ایم پی اے

سوال نمبر ۱۲

آئین میں ترمیم کا اختیار

جناب مہر ظفر اللہ خان بھروانہ۔

جو قانون سازی نیشنل اسمبلی کرتی ہے وہ ساری آئین کے تحت ہوتی ہے۔ نیشنل اسمبلی قانون سازی کرتے وقت اگر مناسب سمجھے یا ضرورت محسوس کرے تو آئین میں بھی ترمیم کر سکتی ہے۔ لیکن اگر صوبائی اسمبلی اپنی مرضی کا کوئی قانون بنانا چاہے اور آئین میں کوئی پرویژن نہ ہو تو وہ ایسا نہیں کر سکتی تو کیا اس میں بھی کوئی ترمیم کی جا سکتی ہے تاکہ صوبائی اسمبلی بھی اپنی مرضی کے مطابق قانون بنا سکے؟ نیز کیا ہمارا قانون شہادت، قرآن و سنت اور شریعت کے مطابق بنا یا اس میں کوئی کمی ہے؟

جواب

سردار محمد اقبال موکل

آئین کا جہاں تک تعلق ہے جس طرح کہ وسیم صاحب پہلے بتا چکے ہیں آئین میں یہ بات واضح طور پر آئی ہے کہ قرآن اور سنت کے خلاف کوئی بات بھی نہیں ہونے دیں گے اِس لحاظ سے آئین کی پابندی انتہائی لازمی ہے۔ آئین کی حدود میں رہتے ہوئے صوبائی اسمبلی بالکل خود مختار ہے کہ وہ صوبائی لسٹ کے متعلق جو قانون چاہے وضع کرے۔ جہاں تک دوسرے سوال کا تعلق ہے میں شائد اسے follow نہیں کر سکا میاں صاحب نے اسے follow کیا ہو گا۔

قانون شہادت کے سلسلے میں میں عرض کروں گا کہ ابھی حال ہی میں بہت سی Bodies نے اس قانون کو دیکھا ہے انہوں نے اسے دیکھنے اور پرکھنے کے بعد پاس کیا ہے اور کوشش یہی کی گئی ہے کہ قانون شہادت ۱۹۷۲ء تبدیل کرتے وقت صرف ایک ہی چیز کو سامنے رکھا جائے کہ یہ قرآن اور سنت کے مطابق ہو۔ اس سلسلے میں نہ صرف یہ کہ اسلامی نظریاتی کونسل نے بھی اس کا مشورہ دیا بلکہ لاء کمیشن نے بھی اسے دیکھا اور دیکھنے اور پرکھنے کے بعد یہ پاس کیا گیا۔

میرج ایکٹ یا پارسیوں کا ایکٹ یا ہندوؤں کا ایکٹ ہے یہ سب کچھ اس کے مطابق ہوتا ہے۔ قرآن اور سنت کی تو صرف اتنی تعلیم ہے کہ ان کو آزادی دی جائے۔ ان کو حقوق دیئے جائیں۔ یہ نہیں کہ اکثریت کی بنا پر ان کے حقوق کو غصب کیا جائے۔ ان کو اپنے دائرے میں رہتے ہوئے ایک شہری کی حیثیت سے مکمل آزادی ہے اور ان کے جو ذاتی قوانین ہیں انہیں کے مطابق مزید قوانین بنائے جاتے ہیں۔

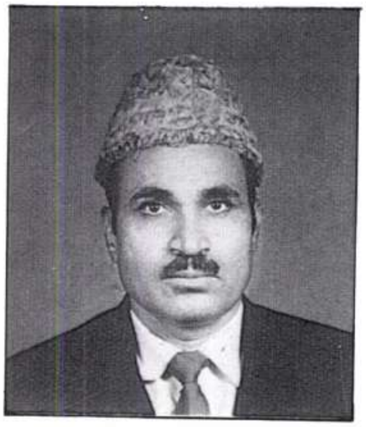

لالہ مہرلال بھیل ایم پی اے

سوال نمبر ۱۳

غیر مسلم اقلیتوں کے لئے قوانین

لالہ مہرلال بھیل

تعزیری قوانین تو یکساں ہیں مگر کچھ قوانین اقلیت کے الگ ہیں، جیسے شادی بیاہ کے مذہبی قانون ہوتے ہیں۔ اس کے بارے میں وضاحت فرمائیں کہ کیا اقلیت کے بارے میں قانون سازی کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ جناب والا! میرا دوسرا سوال یہ ہے کہ جو قوانین قرآن اور سنت کے مطابق بنائے جاتے ہیں کیا ایسے قوانین سے اقلیتیں مستثنیٰ ہیں یا ان پر بھی یہ قوانین لاگو ہوتے ہیں جیسے عائلی قوانین وغیرہ ہیں؟

جواب

جناب وسیم سجاد...... جہاں تک پرسنل لاز کا تعلق ہے اقلیتوں کے اپنے قوانین ہیں ان ہی کے مطابق عدالتیں فیصلہ کرتی ہیں۔ اسلام میں قانون سازی کے بنیادی اصول یہ ہیں کہ کچھ چیزیں فرض ہیں۔ کچھ چیزیں حرام یا مکروہ ہیں کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کو مباح کہا جاتا ہے جن کے بارے میں قرآن وسنت آپ کو اختیار دیتے ہیں کہ آپ جو چاہیں قانون سازی کریں۔ اقلیتوں کے ذاتی معاملات کے بارے میں ایسا کوئی قانون نہیں کہ اقلیتوں کی وراثت کا مسئلہ کیسے حل ہوگا۔ لہٰذا جو قانون سازی کی گئی ہے وہ انہیں کے لاز اور کسٹم کو سامنے رکھ کر کی گئی ہے۔ مثلاً کرسچین

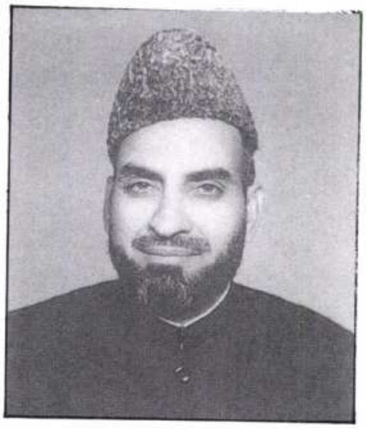

میاں محمد اسحاق ایم پی اے

سوال نمبر ۱۴

اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات پر عمل در آمد

میاں محمد اسحاق...... جناب والا! اکثر مشاہدے میں یہ بات آئی ہے کہ دوسرے ممالک کے مقابلے میں ہمارے ملک میں قوانین کا احترام اور ان پر عمل روز بروز کم ہوتا جارہا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ قانون بنانے والے ادارے اور حکومت خود عمل میں کوتاہی کر رہی ہے۔ اسی لئے معاشرے میں احترام اور عمل کا رجحان کم ہو رہا ہے یا اس کی کوئی اور وجہ ہے؟ دوسری بات یہ ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل جو کافی محنت سے تشکیل دی گئی ہے اور اس پر قوم کا کثیر سرمایہ بھی خرچ ہوا ہے اس کی سفارشات پر ابھی تک کوئی عمل نہیں ہو رہا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟۔

جواب

سردار محمد اقبال موکل...... جناب والا! مجھے یہ سوال بہت ہی اچھا معلوم ہوا کیونکہ ہمارے بیشتر قوانین بہت وقت کے بعد بن تو جاتے ہیں لیکن بننے کے بعد ان پر عمل در آمد نہیں ہوتا۔ میں آپ کے دونوں جگہ کے قواعد انضباط کار دیکھ رہا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ اب شاید یہ وقت بھی آ گیا ہے کہ جہاں آپ نے اور بہت سی کمیٹیاں بنائی ہوئی ہیں۔ اس میں شاید آپ کو ایک In-Built Mechanism ہر قانون کے ساتھ رکھنا پڑے کہ آپ کے بنائے ہوئے قانون کی کتنی توقیر تکریم، عزت یا اس کا نفاذ کیا جارہا ہے۔ مختلف

اسمبلیاں جو قوانین بناتی ہیں ان کا ماہانہ یا اجلاس کے بعد تین ماہ کے بعد یا ایک کمیٹی باقاعدہ جائزہ لے اور ان کے بارے میں رپورٹ پیش کرے۔ کیونکہ اب یہ محسوس ہوتا ہے کہ قانون تو بن جاتے ہیں لیکن بننے کے بعد ان میں سے بیشتر قوانین پر صحیح معنوں میں عمل در آمد نہیں ہوتا۔ کیا قانون کو بدلنے کی ضرورت ہے؟ کیا اس کی شقیں ایسی ہیں کہ جو اب فرسودہ ہو چکی ہیں اور ان پر چلا نہیں جا سکتا؟ یا معاشرہ انہیں قبول نہیں کرتا؟ اگر قبول نہیں کرتا تو کیا اس صورت میں اس قانون کو تبدیل کر دیا جائے یا اس میں ترامیم کی جائیں؟ لیکن اگر کوئی قانون معاشرے کی روح کے مطابق ہے اور پھر بھی اس پر عمل در آمد نہیں ہو رہا تو میں سمجھتا ہوں کہ آئندہ آپ کے قوانین جو مختلف اداروں سے بنیں ان میں یہ In-Built Mechanism رکھئے اور اپنے رولز آف پروسیجر میں اس گنجائش کو بھی رکھئے کہ ایک کمیٹی ایسی بھی ہو جو قوانین پر عمل در آمد کی صورت حال پر نظر رکھے۔

میاں ریاض حشمت جنجوعہ
ایم پی اے سوال پوچھ رہے ہیں۔

سوال نمبر ۱۵

مارشل لا دور کے قوانین کا تحفظ

میاں ریاض حشمت جنجوعہ...... میں جناب وزیر قانون کی خدمت میں یہ سوال کرنا چاہتا ہوں گا کہ اگر سیاسی ادارے موجود ہوں تو امور مملکت چلانے کے لئے ان میں قانون سازی کی جاتی ہے مگر مارشل لا کے دور میں فرد واحد کی زبان قانون کا درجہ حاصل کر لیتی ہے اور بعد میں مارشل لا کے کالے ضابطوں اور غلط کاریوں کو آئینی تحفظ دے دیا جاتا ہے۔ کیا یہ بات آئین کی روح کے خلاف نہیں ہے۔ جو اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ قرآن و سنت کے خلاف کوئی قانون نہیں بنایا جائے گا۔ کیا آئین کا آرٹیکل ۲۷۰ (۱) قرآن و سنت کے تقاضوں کے منافی نہیں ہے؟

مارشل لا کی پہلی تاریک رات تمام حکومتی اداروں پر مارشل کو بالادستی عطا کر دیتی ہے مگر دو سال کا عرصہ گزر جانے کے باوجود بھی منتخب اداروں کو حکومتی اداروں پر ابھی تک بالادستی حاصل نہیں ہو سکی۔ اس کی کیا وجوہات ہیں؟

جواب

جناب وسیم سجاد...... سوال کا لب لباب جو میں سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ کیا مارشل لا کے قوانین کو تحفظ دینے کے بعد آئین کی بالادستی قائم ہے یا نہیں۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جو تحفظ دیا گیا تھا وہ کسی مصلحت کے تحت تھا ۱۹۸۵ء میں جب مارشل لا ہٹایا گیا اور جمہوری ادارے قائم کئے گئے اور آٹھویں ترمیم اسمبلی کے سامنے لائی گئی تو اس وقت یہ تحفظ دیا گیا تھا۔ لیکن اس میں اصل بات یہ ہے کہ تحفظ آپ کی پارلیمنٹ نے دیا تھا اور اس وقت بھی پارلیمنٹ پر کوئی قدغن نہیں ہے کہ وہ دو تہائی اکثریت سے آئین میں یا اس کے کسی بھی حصے میں ترمیم نہ کرے یعنی اسے مکمل اختیار ہے۔ نہ صرف مکمل اختیار ہے۔ بلکہ واضح طور پر آئین کی دفعہ ۲۳۹ میں لکھا گیا ہے کہ پارلیمنٹ کے اختیارات پر کسی قسم کی پابندی نہیں ہے اور وہ آئین میں جو چاہے ترمیم کر سکتی ہے۔ یہ تو اس کا جواب ہو گیا کہ مارشل لا کی بالادستی قائم ہو گئی ہے یا نہیں تو میں سمجھوں گا اور کہوں گا کہ بالادستی قائم نہیں ہوئی۔ پارلیمنٹ کو مکمل اختیار ہے کہ وہ کیا کرنا چاہتی ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ مارشل لا کے دوران کچھ فیصلے ہوتے اس کے بارے میں یہ عرض ہے کہ مارشل لا ایک طویل عرصے تک پاکستان میں رہا۔ اس دوران میں کچھ عدالتیں بھی قائم کی گئیں۔ ان میں مختلف قسم کے مقدمات کی سماعت ہوئی۔ جن میں قتل، زنا بالجبر، ڈکیتی اور پولیٹیکل مقدمات بھی ہوں گے۔ لیکن ہر قسم کے مقدمات کے ہزاروں کی تعداد میں فیصلے ہوئے۔ اب یہ سمجھنا کہ حکومت یک لخت ان کو Over turn کر دے گی، بغیر دیکھے کہ کس کیس میں غلطی ہوئی ہے، کس میں صحیح فیصلہ ہوا ہے درست نہیں ہے، پھر Policy Angle بھی ہوتا ہے کہ اتنے کیسوں کو ہم سنبھال سکتے ہیں یا نہیں۔ وزیراعظم نے پچھلے دنوں ایک بیان دیا تھا کہ میں اس کو Review کرواؤں گا۔ سینٹ کی ایک کمیٹی بھی قائم کر دی گئی ہے جس کے زیر غور یہ مسئلہ ہے کہ مارشل لا کے جو Hardship cases ہیں ان میں لوگوں کو کیا Relief دیا جائے۔ جو اس وقت مارشل لا کے تحت دی گئی سزا کاٹ رہے ہیں۔ یہ مسئلہ اب حکومت کے زیر غور ہے یہ ایک آسان سوال نہیں ہے۔ کیونکہ ہزاروں مقدمات ایسے ہیں جن کے بارے میں شاید لوگوں نے سمجھا ہو کہ صحیح فیصلہ ہوا ہے۔ مثلاً قتل، غبن، زنا بالجبر، وغیرہ کے مقدمات ہیں۔ سیاسی قسم کے مقدمات بھی ہیں۔ تو ہمیں Categorize کرنا ہو گا۔ دیکھنا ہو گا کہ کس طریقے سے ان کا کوئی حل نکالا جائے۔ یہ مسئلہ اس وقت زیر غور ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ انشاءاللہ اس کا کوئی نہ کوئی حل ضرور نکل آئے گا اور جلدی نکلے گا۔

سوال نمبر۱۶

قواعد اسمبلی میں ترمیم

جناب فضل حسین راہی......جناب وسیم سجاد نے فرمایا ہے کہ آئین کی دفعہ ۲۳۹ کے تحت کسی وقت بھی تبدیلی لائی جا سکتی ہے۔ میں ابھی تک اپنے سوال پر مصر ہوں۔ آپ یا یہاں بیٹھا ہوا کوئی شخص یہ بتادے کہ میں پنجاب اسمبلی کے رولز آف پروسیجر کے کسی قاعدے میں ترمیم کرنے کے لئے کس رول کے تحت نوٹس دے سکتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ پنجاب اسمبلی کے تمام رولز آف پروسیجر کو تبدیل کرنے کے لئے تو نوٹس دیا جاسکتا ہے لیکن کسی مخصوص قاعدہ کو تبدیل کرنے کے لئے نوٹس نہیں دیا جاسکتا۔

جواب

جناب وسیم سجاد......میں نے چونکہ آپ کے قواعد نہیں دیکھے میں فرض کرتا ہوں کہ وہ بھی ہمارے قواعد کے مطابق ہوں گے نیشنل اسمبلی اور سینٹ کے جو رولز ہیں ان میں یہ گنجائش موجود ہے۔ لیکن ایک چیز کی میں وضاحت کرتا چلا جاؤں کہ اگر کوئی ایسی دقت ہے یعنی رولز پروسیجرل چیز ہوتی ہے' رولز کی بالادستی نہیں ہوتی رولز کا مطلب ہوتا ہے کہ آپ کے کام کو سہل کیا جائے اور اس کو کسی باضابطہ طریقے سے چلایا جائے۔ سپیکر کی Residuary Powers بھی ہوتی ہیں۔ اگر کسی چیز کے بارے میں کوئی واضح رولز نہیں ہیں تو سپیکر ہدایت بھی جاری کر سکتے ہیں۔ میرے خیال میں آپ کے رولز میں اولاً تو یہ چیز موجود ہونی چاہئے۔ اگر کوئی دقت ہے تو سپیکر صاحب ہدایت بھی جاری کر سکتے ہیں۔

جناب وزیر احمد جوگیزئی......راہی صاحب آپ شاید بالکل ذاتی بات کر رہے ہیں پورے ہاؤس کی بات نہیں کر رہے ہیں۔ اگر پورے ہاؤس یا اکثریت کی مرضی کے خلاف کوئی بھی چیز ہو تو فوراً معطل کی جا سکتی ہے۔ آپ صرف اپنی بات کرتے ہیں تو اس پورے سمندر میں اکیلے آدمی کی بات نہیں چلتی۔

پارلیمانی روایات میں اہم سنگ میل

میں نے اب تک بے شمار تقاریب میں شرکت کی ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ سیمینار ان سب تقاریب میں اپنی اہمیّت کے اعتبار سے ایک منفرد اور ممتاز مقام رکھتا ہے بلکہ میرے خیال میں یہ کہنا بالکل درست ہوگا کہ قومی سیاسیات کی پارلیمانی روایات میں اس سیمینار کو ہمیشہ ایک اہم سنگِ میل کی حیثیت حاصل رہے گی۔

جناب محمد نواز شریف
وزیر اعلیٰ پنجاب

میاں منظور احمد وٹو سپیکر پنجاب اسمبلی جناب محمد نواز شریف وزیر اعلیٰ پنجاب کو خوش آمدید کہہ رہے ہیں۔

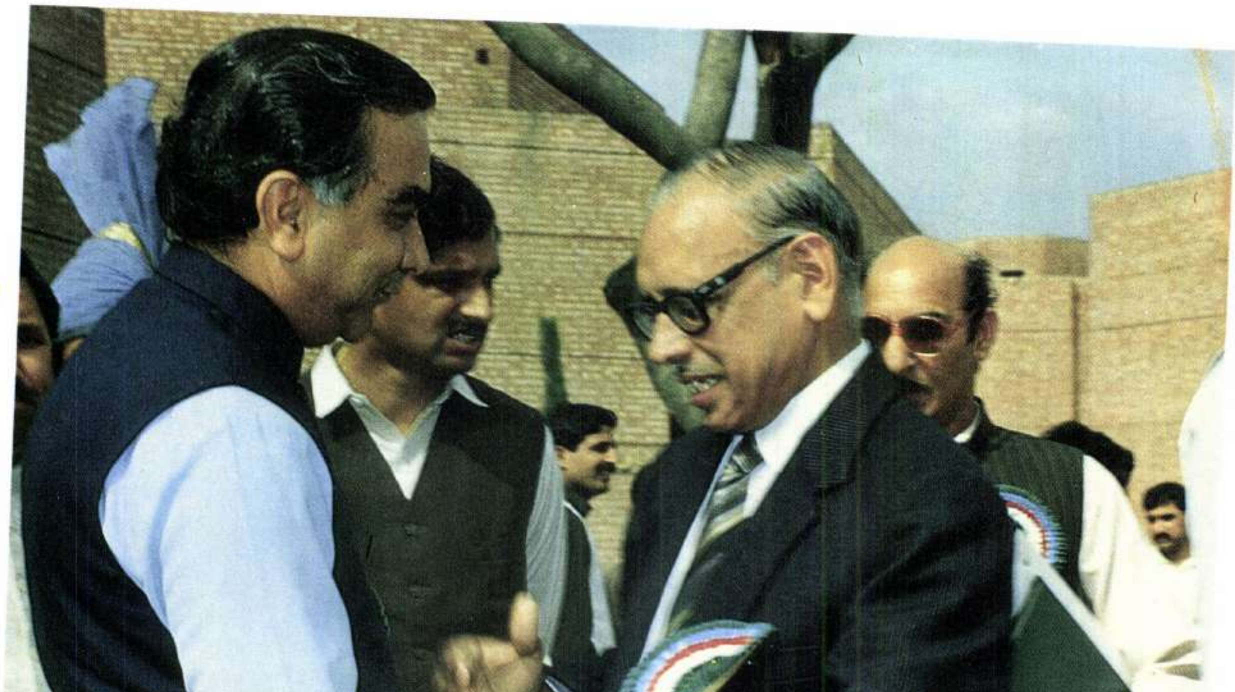

میاں منظور احمد وٹو سپیکر پنجاب اسمبلی چودھری محمد انور بھنڈر سابق سپیکر مغربی پاکستان اسمبلی کا استقبال کر رہے ہیں۔

جناب محمد نواز شریف وزیر اعلیٰ پنجاب (دائیں) راجہ امان اللہ خان سپیکر سرحد اسمبلی (درمیان) سے مصافحہ کر رہے ہیں۔

جناب محمد نواز شریف وزیر اعلیٰ پنجاب (بائیں) چودھری محمد انور بھنڈر سابق سپیکر مغربی پاکستان اسمبلی سے مصافحہ کر رہے ہیں۔

میاں محمد افضل حیات ' قائد حزب اختلاف پنجاب اسمبلی ' راجہ امان اللہ خان سپیکر سرحد اسمبلی ' میاں منظور احمد وٹو سپیکر پنجاب اسمبلی ' جناب محمد نواز شریف وزیر اعلیٰ پنجاب '
راجہ خلیق اللہ خان صوبائی وزیر قانون و پارلیمانی امور اور میاں مناظر علی رانجھا ڈپٹی سپیکر پنجاب اسمبلی سٹیج پر تشریف فرما ہیں۔

سامعین کا ایک منظر

راجہ امان اللہ خان سپیکر سرحد اسمبلی خطاب فرما رہے ہیں

تعارف موضوع

جناب راجہ امان اللہ خاں، سپیکر
سرحد اسمبلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب سپیکر کو اچھی طرح معلوم ہے کہ پارلیمانی زندگی میں دونوں ہمعصر فکر و نظر کے ہم مکتب اور جولان گاہ کے نئے سوار ہیں۔ اس کے باوجود انہوں نے اس افتتاحی تقریب کی سعادت مجھے سونپنے کا جو اعزاز بخشا ہے اس کے لئے میں ان کا تہ دل سے شکر گزار ہوں۔

پارلیمانی دستور العمل

یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ پارلیمانی آداب کے لئے پارلیمانی تسلسل کا ہونا ایک لازمی امر ہے کیونکہ آداب نظائر سے اخذ کئے جاتے ہیں اور پھر وہ یوں پروان چڑھتے ہیں۔ یہ بھی ایک قابل افسوس سانحہ ہے کہ پاکستان بننے کے بعد ہم ملک میں پارلیمانی تسلسل برقرار نہ رکھ سکے وجوہات کچھ بھی ہوں مگر ہم عمل پیہم نہ ہونے کی وجہ سے اپنی اقدار کے مطابق نظائر قائم کرنے سے محروم رہے۔

سپریم کورٹ کی رولنگ ...... پارلیمانی آداب پر کوئی مرتب کتاب موجود نہیں ہے اور اگر اس طرح کہوں تو بے جا نہ ہو گا کہ یہ سینہ بہ سینہ روایات کا ایک علم ہے جن میں وقتاً فوقتاً مسند نشین حضرات اضافے کرتے رہتے ہیں۔ پاکستان بننے کے بعد مسند نشین ہونے والے حضرات کے وضع کردہ نظائر پانچ جلدوں میں ہمارے پاس موجود ہیں۔ جو ۷ ۱۹۴۷ء سے جون ۱۹۷۷ء تک قومی اسمبلی کی داخلی کارروائی پر محیط ہیں۔ لیکن اگر ہم ان نظائر کا بغور جائزہ لیں تو ان کی اساس وہی ہے جس کا اظہار پاکستان کے سپریم کورٹ کے فل بنچ نے پاکستان بنام احمد سعید کرمانی کے کیس پی ایل ڈی ۱۹۵۸ء سپریم کورٹ ۳۹۷ میں کیا ہے جو میں انہیں کے الفاظ میں پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

"The whole course of development of representative institutions in Pakistan, during the long period when it was a part of the sub-continent, and since the commencement of its separate existence, is a continuation in its broadest aspects of the course of development of such institutions through more than six centuries in the United Kingdom. Notwithstanding the constitutional differences between the two countries, it may be stated without fear of contradiction, that so far as concerns the place of the Legislature, vis-a-vis the other great limbs of the State, the position in Pakistan approximates closely to that which obtains in the United Kingdom. That is a natural consequence of the fact that the representative institutions now operating were introduced for the first time by the British Government during the later years of their long period of dominance over the sub-continent. Similar institutions have been introduced in every country outside the British Isles over which from time to time British Sovereign has held sway.

It follows as a natural consequence that the incidents of Parliamentary Government as introduced by the British rulers into other territories approximate closely to those of Parliamentary Government in their own country, and within their own experience. That experience includes a long period, covering nearly five centuries, of agitated controversies between the House of Commons

اس لئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں اگر ہم ان کے پارلیمانی آداب سے استفادہ کریں۔ میں نے اس سلسلے میں وہاں کی شہرہ آفاق کتاب

Practice & Procedure of Parliament by M. N. Kaul & S.L. Shakdher

کا بغور مطالعہ کیا مگر مجھے ان کی مرتب کردہ رپورٹ اور May's Parliamentary Practice میں کوئی فرق نظر نہیں آیا اس کتاب کے صفحہ نمبر ۱۷۹ پر ایک اقتباس درج ہے جس کو میں آپ کے سامنے بعینہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔

In September, 1949, when the question of enacting legislation on the subject was considered by the Conferences, the Chairman (Speaker Mavalankar) expressed this view:-

> It is better not to define specific privileges just at the moment but to rely upon the precedents of the British House of Commons. The disadvantage of codification at the present moment is that whenever a new situation arises, it will not be possible for us to adjust ourselves to it and give members additional privileges. Today, we are assured that our privileges are the same as those of the members of the House of Commons.
>
> In the present set-up any attempt at legislation will very probably curtail our privileges. Let us, therefore, content ourselves with our being on a par with the House of Commons. Let that convention be firmly established and then we may, later on, think of putting it on a firm footing.

A committee consisting of four Speakers was appointed to examine the recommendations received from the Provinces on the question of legislation on the subject.

بھارت کی لوک سبھا کے آنجہانی سپیکر کی اس رائے سے بمبئی ہائیکورٹ کے چیف جسٹس محمد ہدایت اللہ نے ۱۹۷۲ء میں ان الفاظ کے ساتھ اتفاق رائے کیا۔

If there is mutual trust and respect between Parliament and Courts there is hardly any and the Courts of the King regarding the limits of their respective jurisdiction in respect of proceedings of House of Commons.

On the questions relating to the British Parliament and to the proceedings of that Parliament, and other Parliaments formed upon the same pattern, May's Parliamentary Practice is both valuable as well as entirely trustworthy, as a guide on all points whether of principle or of detail.''

قانون استحقاقات ۱۹۵۵ء کی حیثیت

اس رولنگ کی روشنی میں پارلیمانی آداب کے لئے ہمارا زیادہ انحصار May's Parliamentary Practice پر ہے۔ جس کے لئے ایک قانونی جواز بھی موجود ہے۔ ملک بھر میں کسی بھی قانونی ادارے نے اب تک ایوان کے استحقاق کے لئے آئینی حکم کے باوجود کوئی قانون وضع نہیں کیا ہے اور جو قانون Statute Book میں موجود ہے' وہ Constituent Assembly (Proceedings & Privileges) Act, 1955 ہے۔ مسٹر جسٹس (ریٹائرڈ) محمد منیر مرحوم نے پاکستان کے آئین ۱۹۷۳ء پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قانونی طور پر استحقاق اور پارلیمانی آداب کے متعلق مذکورہ قانون ایک نافذ العمل قانون ہے جب ہم اس نافذ العمل قانون کا بنظر غائر جائزہ لیتے ہیں تو اس کی دفعہ چار کے ذیلی دفعہ ۵ میں یہ دفعہ ملتی ہے۔

"(5) In other respects, the powers, privileges and immunities of the Assembly and of the members and committees thereof, shall be those of the Commons House of the Parliament of the United Kingdom of Great Britain and Northern Ireland and of its members and committees at the date of commencement of this Act.''

یہ قانونی دفعہ اس امر کی متقاضی ہے کہ ہمیں جب کبھی پارلیمانی آداب سمجھنے کی ضرورت پڑے تو لامحالہ May's Parliamentary Practice کو نہ صرف سمجھنا ہو گا بلکہ اس کی روشنی میں فیصلہ دینا ہو گا۔ یہ یقیناً ایک قابل غور مسئلہ ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کو اسلامی اقدار' آداب اور ثقافت کے اندر ایک جداگانہ پارلیمانی مجموعہ آداب کی اشد ضرورت ہے اور اگر یہ ضرورت یقینی ہے تو پھر اس امر میں پہل کون کرے ہماری نگاہیں یقیناً سینٹ اور قومی اسمبلی کی طرف اٹھتی ہیں جن کی رہنمائی اور رہبری ہمارے لئے ہمیشہ سے مشعل راہ ہے۔

بھارت کی مثال

چند معزز اراکین کا یہ خیال ہے کہ چونکہ ہمارے پڑوسی ملک میں جمہوریت کا عمل مسلسل جاری ہے اور انہوں نے اس سلسلے میں نمایاں خدمات انجام دی ہوں گی

need to codify the law on the subject of privileges. With a codified law more advantage will flow to persons bent on vilifying Parliament, its members and Committees and the Courts will be called upon more and more to intervene. At the moment, given a proper understanding on both sides, parliamentary right to punish for breach of its privileges and contempt would rather receive the support of Courts than otherwise. A written law will make it difficult for Parliament as well as Courts to maintain that dignity which rightly belongs to Parliament and which Courts will always uphold as zealously as they uphold their own.

اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۹۷۲ء تک اس ملک میں بھی پارلیمانی آداب پر Codified Law موجود نہیں تھا۔

یہ مختصر سی تمہید میں اس لئے پیش کرنا ضروری سمجھ رہا تھا کہ پارلیمانی آداب کی مثال ایک وسیع و عریض میدان کی سی ہے اور اس جولان گاہ میں بڑے بڑے شہسوار بھی دوڑ لگانے میں پیچھے رہے ہیں۔

اہم پارلیمانی آداب

نظائر پارلیمانی آداب کے جو مسلمہ نظائر ہمارے پاس موجود ہیں وقت کی تنگی کی وجہ سے ان پر مختصراً تبصرہ کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن تبصرے سے قبل ایک بہت مفید بات جو مجھے مسٹر جسٹس ریٹائرڈ محمد منیر مرحوم کے پاکستان کے ۱۹۷۳ء کے آئین کے تبصرے میں حالات کے مطابق پسند آئی ہے۔ وہ انہیں کے الفاظ میں پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

"A House or an Assembly has to make its own rules to govern its procedure, but in making these rules it must not transgress its constitutional limits or arrogate to itself functions which are not within its powers. Parliament is a sovereign body, but only within the sphere assigned to it by the Constitution. It is not a sovereign body like the Parliament of the United Kingdom. Each Provincial Assembly being a body within a Federal set up, its functions are defined qua the Executive, the Judiciary, and the subject. Therefore, in exercise of its rule making powers, a House or a Provincial Assembly cannot assume powers which do not properly belong to it. Excess of jurisdiction in this respect would be cognizable by Courts on proper proceedings being taken for the purpose."

پارلیمانی آداب کا زیادہ تر انحصار طریق کار کے مروجہ قواعد پر ہے اور قواعد مرتب کرتے وقت مرحوم جیورسٹ کی نصیحت کافی کار آمد اور مفید ثابت ہوگی۔ ان آئینی قیود کے پیش نظر ہم پارلیمانی آداب کو تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

۱............ آزادی گفتار

۲............ آزادی کردار

۳............ آزادی اختیار

میں یہاں پر ایک وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں نے لفظ "کردار" انگریزی لفظ Role کے مترادف استعمال کیا ہے۔ اور اس Role میں جمہوری پارلیمانی اقدار شامل ہیں۔

۱...... آزادی گفتار

عوامی نمائندوں کو اکثر و بیشتر یہ ضرورت پیش آتی ہے کہ وہ سخت الفاظ میں انتظامیہ اور حکومت کا محاسبہ کریں جس سے ایوان اقتدار کے در و دیوار لرز اٹھتے ہیں چونکہ ان کے پاس زبان بندی کے لئے قوانین موجود ہوتے ہیں اس لئے یہ پارلیمانی آداب کا ایک اہم اور اولین تقاضا ہے کہ عوامی نمائندوں کو یہ رعایت حاصل ہو کہ ایوان کے اندر وہ عوامی مسائل پر اگر جذباتی ہو کر تلخ و تند لہجے میں انتظامیہ اور حکومت کو جھنجوڑیں تو نہ تو ان کی زبان بندی کی جائے اور نہ ان کو پابند سلاسل کیا جائے۔ ہاں اگر دوران گفتگو وہ شائستگی کا دامن ہاتھ سے چھوڑیں تو افسر جلیس کو ہی حق حاصل ہو کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق ان الفاظ کو نازیبا یا غیر شائستہ قرار دے کر ان کو اجلاس کی کارروائی سے حذف کرنے کا حکم صادر فرمائیں۔ آزادی گفتار کے ساتھ یہ پابندی بھی ضروری ہے کہ افسر جلیس کی اجازت کے بغیر ایوان کی کارروائی کی اشاعت نہ ہو اور خصوصاً جن الفاظ کو حذف کر دینے کے لئے کہا گیا ہو یا جن الفاظ کو خود واپس لیا ہو وہ اشاعت میں نہ آئیں اور ہر قانونی ادارہ اپنے طریقہ کار میں اس قسم کے ضابطہ اخلاق کا اہتمام کرے۔ عدلیہ جناب صدر اور جناب گورنر کے ذاتی افعال تنقید سے مبرا ہیں۔

چونکہ آزادی گفتار کو بھی سلیقہ کی لڑی میں پرونا ہے۔ اس لئے اجلاس کے طریقہ کار میں اس کے لئے مختص طریقے ہیں۔ مثلاً پوائنٹ آف آرڈر، تحریک استحقاق اور تحریک التواء وغیرہ جو اس سیمینار کے مختلف موضوعات ہیں۔ اور میں ان پر تبصرہ نہیں کرنا چاہتا۔

۲...... آزادی کردار

چاہے ایوان کے معزز اراکین کسی سیاسی پارٹی کے رکن ہوں یا نہ ہوں ایوان کے اندر ان پر یہ پابندی نہیں ہونی چاہئے کہ وہ اپنے ضمیر کے خلاف ایک مخصوص

پالیسی کے حق میں رائے دیں۔ چاہے اس سے ان کے حلقہ ہائے نیابت کو نقصان کیوں نہ ہو یا ان کے خیال میں اس سے قومی اور ملی نقصان کیوں نہ ہو۔ یہ ایک الگ موضوع ہے کہ پولیٹکل پارٹیز ایکٹ ۱۹۶۲ء میں انحراف کی جو شق ہے کیا وہ ایوان کی داخلی کارروائی پر بھی اثر انداز ہوتی ہے یا نہیں۔ جبکہ آئین کے آرٹیکل ۶۹ میں کچھ تحفظات موجود ہیں۔ اور یہ ایک عام فہم سی بات ہے آئین کی حیثیت قانون سے بالا و برتر ہے۔ اس لئے آئینی تحفظ کی موجودگی میں ایک قانون کے اندر کے انحراف کی شق کو ایک معزز ممبر کے خلاف استعمال نہیں کیا جاسکے گا۔ بہرحال یہ ایک متنازعہ فیہ اور قابل مباحثہ قانونی امر ہے اس لئے اس پر میں کوئی قطعی رائے نہیں دینا چاہتا اور یہ میں سیمینار کے ماہرین کے لئے چھوڑتا ہوں کہ وہ اس مسئلے پر اپنی ماہرانہ قانونی رائے کا اظہار فرمائیں۔

۳ .... آزادی اختیار

وفاق کا ایک حصہ ہونے کی وجہ سے یقیناً سینٹ اور قومی اسمبلی کو برتری حاصل ہے۔ ان کے قوانین مرتب کرنے کا ایک مفصل شیڈول ہے اور پھر باہمی اختیارات کے یکجا استعمال کے لئے ایک الگ کنکرنٹ لسٹ ہے جس کے ساتھ یہ شرط لگی ہوئی ہے کہ اگر وفاقی ادارے کسی قانون کے بنانے میں پہل کریں تو صوبائی اداروں کے اختیارات ختم ہو جاتے ہیں ان دو شیڈولز کے ماسوا جو کچھ باقی رہ جاتا ہے۔ ان امور پہ صوبائی اسمبلیوں کو قانون سازی کے اختیارات حاصل ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ایک خرابی یہ بھی ہے کہ اگر دو یا دو سے زائد صوبائی قانونی ادارے مرکز کو بذریعہ قرار داد ایک قانون بنانے کے لئے اختیارات تفویض کریں تو پھر وفاقی قانونی ادارے وہ قانون بنانے کے مجاز ہوں گے۔

اس قدر قیود کے باوجود جو رہے سہے اختیارات ہیں ان میں پارلیمانی آداب کے مطابق معزز اراکین کو قانون سازی کے امور میں زیادہ سے زیادہ دلچسپی لینی چاہئے۔ ہر قانونی ادارے کا اس سے مکمل استفادہ کرنا پارلیمانی آداب کا ایک اہم جزو ہے۔ ان تین امور کے ماسوا کچھ آداب ایسے بھی ہیں جو نظائر پر مبنی ہیں اور ہر ادارے کے نظائر اپنے اپنے ہوتے ہیں اور نئے نظائر مقرر کرنے کے لئے جملہ قانونی اداروں کے سپیکر صاحبان کو مکمل اختیارات حاصل ہیں۔ میں نمونہ مشتے از خروارے کچھ عمومی پارلیمانی آداب پیش خدمت کر رہا ہوں۔

(۱) ہر ایوان طریقہ کار کے لئے جو قواعد مرتب کرے، صرف ایوان کے سپیکر کو ان قواعد کے Interpret کرنے کا حق حاصل ہے اور کوئی عدالت داخلی کارروائی کے متعلق مرتب کردہ قواعد پر فیصلہ دینے کی مجاز نہیں۔ یہ ایک مسلمہ امر ہے اور اس کو ملک کی اعلیٰ عدالتوں سے تائید حاصل ہے۔ May's Parliaments Practice کے مطابق پارلیمینٹ کو ان لوگوں کو سزا دینے کا حق حاصل ہے جو ایوان کے استحقاق کو مجروح کریں اور اس امر میں ایوان کے اپنے معزز اراکین بھی شامل ہیں۔ دیوانی مقدمات کے سلسلے میں ایوان کے معزز اراکین کا یہ استحقاق ہے کہ اجلاس سے پندرہ دن قبل اور اجلاس سے پندرہ دن بعد ان کو کسی بھی دیوانی مقدمے کے سلسلے میں طلب نہیں کیا جاسکتا۔

سامعین کا ایک منظر

(۲) جو گواہ اسمبلی یا اسمبلی کی کسی میٹنگ میں گواہی کے لئے طلب کیا جائے تو اس گواہی پر اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جاسکے گی۔

(۳) ممبر حضرات یا معزز اراکین ایوان میں اس ترتیب سے تشریف فرما ہوں گے جو سپیکر صاحب مقرر کریں۔ کسی بھی اجنبی کو ایوان میں بیٹھنے کا حق حاصل نہیں اور اجنبی ہر وہ شخص ہے جس کو آئینی طور پر ایوان میں بیٹھنے کا حق نہ ہو۔ ہر قانونی ادارے کے افسر جلیس کو اجنبیوں کو ایوان سے نکالنے کا مکمل اختیار حاصل ہے۔

(۴) اگر ایوان کے کسی معزز رکن کو زیر حراست رکھا جائے یا کسی عدالت سے سزا ہو جائے تو متعلقہ مجسٹریٹ یا سیشن جج پر قانوناً لازم ہے کہ وہ ایوان کے سپیکر صاحب کو مطلع کرے۔ اگر حراست کے دوران کوئی معزز رکن سپیکر یا چیئرمین صاحب کو کوئی مراسلہ ارسال کرنا چاہیں تو قانون نافذ کرنے والے کسی بھی ادارے کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اس مراسلے کو روک سکے۔

متفرق پارلیمانی آداب۔

ان بڑی بڑی باتوں کے ماسوا چھوٹے چھوٹے چند ایسے پارلیمانی آداب ہیں جو ایوان کے وقار کو برقرار رکھنے کے لئے از حد ضروری ہیں۔

۱۔ جب افسر جلیس تشریف لاتے ہیں تو جملہ اراکین احتراماً کھڑے ہوتے ہیں۔

۲۔ جب افسر جلیس بات کر رہے ہوتے ہیں تو ان کو پوائنٹ آف آرڈر سے Interrupt کرنا پارلیمانی آداب کے خلاف ہے۔

۳۔ ایوان میں سگریٹ نوشی ممنوع ہے۔

۴۔ ایوان میں آپس میں گفتگو کرنا منع ہے۔

۵۔ ایوان میں افسر جلیس کے ماسوا کسی دوسرے کو مخاطب نہیں کیا جاسکتا۔

۶۔ ایوان کے اندر افسر جلیس کا حکم تسلیم کرنا پارلیمانی آداب کا ایک لازمی حصہ ہے۔

۷۔ ایوان میں اخبار یا کسی دیگر کتاب کا مطالعہ کرنا آداب کے خلاف ہے۔

۸۔ کوئی بھی معزز ممبر لکھی ہوئی تقریر نہیں پڑھ سکتا۔

۹۔ ایوان میں تقریروں میں Interruption پارلیمانی آداب کے خلاف ہے۔

۱۰۔ ایوان میں مقرر اور سپیکر کے مابین سے گزرنا پارلیمانی آداب کے منافی ہے۔

۱۱۔ اسمبلی سیکرٹریٹ کے کسی آفیسر کے خلاف ایوان میں شکایت کرنا قواعد کی روح کے منافی اور پارلیمانی آداب کے خلاف ہے۔ اس سلسلے میں معزز اراکین صرف افسر جلیس سے اس کے چیمبر میں اپنا مدعا بیان کر سکتے ہیں۔

درحقیقت پارلیمانی آداب بنے بنائے نہیں ہوتے۔ بنائے جاتے ہیں اور بلاشبہ ان آداب میں علاقائی تہذیب و تمدن اور سیاسی شعور کی جھلکیاں نمایاں ہوتی ہیں۔ میں نے آپ کا کافی وقت لیا لیکن میں سمجھتا ہوں کہ مجھے اپنی رہنمائی اور رہبری کے لئے آپ کو Food for thought یعنی فکر کے لئے غذا مہیا کرنی چاہئے۔ تاکہ سیمینار کے شرکاء کی ماہرانہ رائے کے مطابق اپنے ایوان کی کارروائی کو بہتر بناسکوں جس کے لئے میں ان کا شکر گزار رہوں گا۔

آخر میں میں جناب میاں منظور احمد وٹو سپیکر پنجاب اسمبلی، معزز اراکین صوبائی اسمبلی، ماہرین حضرات اور سامعین کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے مجھے یہ موقع فراہم کیا۔ شکریہ۔

اعلیٰ روایت کی بنیاد

اس مجلس مذاکرہ کا اہتمام کر کے ایک اعلیٰ روایت کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ یہ مذاکرہ پارلیمانی روایات کی تفہیم اور ان کی ترویج میں نمایاں کردار ادا کرے گا۔

جناب وسیم سجاد
وفاقی وزیر انصاف و پارلیمانی امور
حکومتِ پاکستان

حاجی محمد سیف اللہ خان ممبر قومی اسمبلی تقریر فرما رہے ہیں۔

پارلیمانی دستور العمل

تحریک استحقاق
تحریک التوائے کار
پوائنٹ آف آرڈر

حاجی محمد سیف اللہ خان، ممبر قومی اسمبلی

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب وزیر اعلیٰ پنجاب، جناب سپیکر، صوبائی اسمبلی پنجاب؛ جناب سپیکر صوبائی اسمبلی سرحد، معزز اراکین قومی اسمبلی، معزز اراکین صوبائی اسمبلی و معزز حضرات! سب سے پہلے میں اپنا یہ فرض سمجھتا ہوں کہ میں جناب سپیکر، پنجاب اسمبلی کو دلی مبارک باد پیش کروں کہ انہوں نے وقت کی اس اہم ترین ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے اس سیمینار کا اہتمام کیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہماری پارلیمانی روایات کے پیش نظر اس قسم کے سیمینار کا انعقاد اور اس روایت کا آغاز ہماری جمہوری تاریخ میں انتہائی خوش آئند ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمیں آزاد ہوئے قریباً چالیس سال ہو چکے ہیں اور جمہوریت کے نام پر حاصل شدہ ملک کو پارلیمانی نظام کے تحت اپنے امور مملکت چلانے کا موقع دو سال جمع چار سال اور موجودہ دو سال کا عرصہ ملا ہے، جو قریباً آٹھ سال بنتا ہے باقی بتیس سال یا تو ملک میں مارشل لاء رہا، یا صدارتی نظام حکومت قائم رہا۔ اس صورتحال کے پیش نظر میں سمجھتا ہوں کہ اس روایت کا آغاز ہر لحاظ سے قابل ستائش اور ہم سب کے لئے انتہائی معلوماتی حیثیت کا حامل ہے۔ میرے ذمے جو فریضہ سپرد کیا گیا ہے وہ تحاریک استحقاق، تحاریک التوا اور پوائنٹ آف آرڈر کے سلسلے میں معروضات پیش کرنا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ محترم راجہ صاحب کی مدلل تقریر کے بعد قطعی طور پر کسی موضوع پر بات کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ مگر تعمیل حکم کے لئے اس موضوع پر مختصراً عرض کروں گا۔ کیونکہ موضوع اتنا لمبا ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ ان میں سے ایک ایک آئٹم کے لئے بھی دو دو دن کا وقت رکھ لیا جائے تب بھی ان پر سیر حاصل تبصرہ نہیں ہو سکتا۔

تحریک استحقاق۔

سب سے پہلے میں تحریک استحقاق کے بارے میں عرض کروں گا۔ چونکہ مقننہ جسے عرف عام میں صوبائی سطح پر صوبائی اسمبلی کہا جاتا ہے اور ملکی سطح پر قومی اسمبلی اور پارلیمینٹ کا نام دیا جاتا ہے، ملک کا ایک Sovereign ادارہ ہوا کرتا ہے۔ جسے ہیئت حاکمہ کا نام دیا جاتا ہے اور ملک کے اس اعلیٰ ترین ادارے اور اس کو چلانے کے لئے جب تک اس کے متعلقین کو خصوصی تحفظات فراہم نہ کئے جائیں، اس وقت تک ادارے کا شایان شان حیثیت میں کام کرنا ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی ہر پارلیمینٹ میں اور دنیا کے ہر پارلیمانی نظام میں مقننہ کے لئے خصوصی تحفظات فراہم کئے جاتے ہیں۔

تقریر کی آزادی۔

ان تحفظات میں سب سے بڑا تحفظ سب سے بڑا Privilege جو ان ایوانوں کو حاصل ہوتا ہے وہ آئین میں مذکور ہوتا ہے اور ہمارے آئین میں بھی سب سے بنیادی تحفظ Freedom of speech & Vote کا ہے۔ اظہار رائے اور حق رائے کے استعمال کی جب تک ان اداروں کے اراکین کو مکمل طور پر آزادی نہیں ہو گی اس وقت تک یہ ادارے نہ تو آزادی سے کام کر سکتے ہیں اور نہ انہیں ایک آزاد مقننہ کی حیثیت دی جا سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ بنیادی تحفظ آئین میں ہی مہیا کیا جاتا ہے کیونکہ یہ تحفظ ان اداروں کی روح کی حیثیت رکھتا ہے اور اس آزادی میں بھی یہ تحفظ دے دیا جاتا ہے کہ اگر آپ کسی کے بارے میں ایوانوں میں کوئی نقطہ نگاہ پیش کرتے ہیں تو دنیا کی کسی بھی عدالت میں آپ کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جا سکتی۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ کچھ اور Privileges بھی ہوتے ہیں۔

تقریر کی آزادی پر پابندیاں

دنیا کا کوئی قانون اور کوئی آئین دنیا کے کسی فرد اور کسی ادارے کو مادر پدر آزاد قسم کی آزادی دینے کے حق میں نہیں ہوا کرتا۔ اس لئے اس آزادی اظہار رائے پر بھی چند ایک پابندیاں عائد کی گئی ہیں مثلاً آپ عدلیہ، عدلیہ کے کسی جج، اس کی

کارکردگی اور اس کے کسی فیصلے کے بارے میں قطعی طور پر کوئی تبصرہ ان ایوانوں میں نہیں کر سکتے اور یہ تحفظات میں شامل نہیں ہے۔ اس طریقے سے صدر مملکت اور گورنر کی ذاتی حیثیت کو آپ ان ایوانوں میں زیر بحث نہیں لاسکتے۔ اس کے علاوہ باقی جتنے امور ہیں ان کے بارے میں اراکین اسمبلی کو مکمل حق حاصل ہے کہ وہ کھل کر اظہار رائے کریں، مکمل آزادی کے ساتھ کریں اور اس کے بارے میں کسی بھی ملک کی کسی بھی عدالت میں ان کو چیلنج کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی ان کے خلاف کوئی کارروائی کی جا سکتی ہے۔

دیگر استحقاقات

اس کے علاوہ مقننہ کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنے اس حق کو برقرار رکھنے کے لئے کیونکہ صرف آزادی تقریر سے حق پورا نہیں ہو جاتا' بلکہ اس آزادی تقریر کے ساتھ ساتھ اور حقوق بھی وابستہ ہو جایا کرتے ہیں۔ ان آئینی تحفظات کے علاوہ مزید تحفظات جو وہ چاہے قوانین کے ذریعے اپنے لئے وضع کر سکتی ہے۔

استحقاقات اور مراعات میں فرق

اب میں ان تحفظات کی تشریح کر دوں- Privileges کو عرف عام میں ہم "استحقاق" کہتے ہیں۔ اس کے بارے میں بھی کچھ غلط فہمی ہم میں پائی جاتی ہے۔ قانون ایک ہی ہوتا ہے اور ہمارے ہاں اس وقت جو قانون نافذ ہیں ان کو Amalgamate کیا ہوا ہے۔ اس میں Privileges بھی موجود ہیں اور مراعات بھی موجود ہیں Privileges اور چیز ہے مراعات اور چیز ہیں۔ اگر میری پروِلج کی Breach ہو گی تو اس کے خلاف کارروائی ہو سکتی ہے اور اگر مراعات کی کوئی Breach ہوتی ہے تو اس کے خلاف پروِلج کی Breach کے سلسلے میں کارروائی نہیں ہو سکتی۔ مثال عرض کر دوں کہ ممبران کو ایک پروِلج حاصل ہے کہ انہیں ۱۴ دن کے اجلاس کے شروع ہونے سے پہلے اور ۱۴ دن بعد کسی مقدمے میں detain نہیں کیا جا سکتا۔ یہ آپ کا ایک پروِلج ہے۔ اگر کوئی اسے پامال کرے گا تو اس کے خلاف اس ایوان کو کارروائی کرنے کا مکمل طور پر حق حاصل ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہر ممبر کی تنخواہ مقرر ہے۔ ہر ممبر کا الاؤنس مقرر ہے۔ اگر اس میں کوئی کمی بیشی ہو جاتی ہے۔ اس کی ادائیگی نہیں ہوتی' کم ادائیگی ہوتی ہے یا اس میں کوئی اور جھگڑا کھڑا ہو جاتا ہے تو یہ Breach of privilege نہیں ہے۔ یہ آپ کی مراعات ہیں ۔ پارلیمانی پروِلج اس کو کہتے ہیں جو عام شہری کو حاصل نہ ہو۔ وہ حقوق جو ملک کے ہر شہری کو حاصل ہوں وہ پروِلج کے دائرہ کار میں آتے ہیں اور وہ حقوق جو ملک کے ہر شہری کو حاصل ہوں اور اسی طریقے سے اسمبلی کا رکن بھی اس ملک کا شہری ہے۔ اگر ان حقوق کی کسی قسم کی پامالی ہوتی ہے جو ملک کے ہر شہری کو حاصل ہیں تو اس میں کسی رکن کو کوئی خاص پروِلج حاصل نہیں ہوا کرتا۔ میں نے عرض کیا کہ چونکہ ہمارے ہاں پارلیمانی نظام بہت کم چلا ہے روزانہ ایسی مثالیں دیکھنے

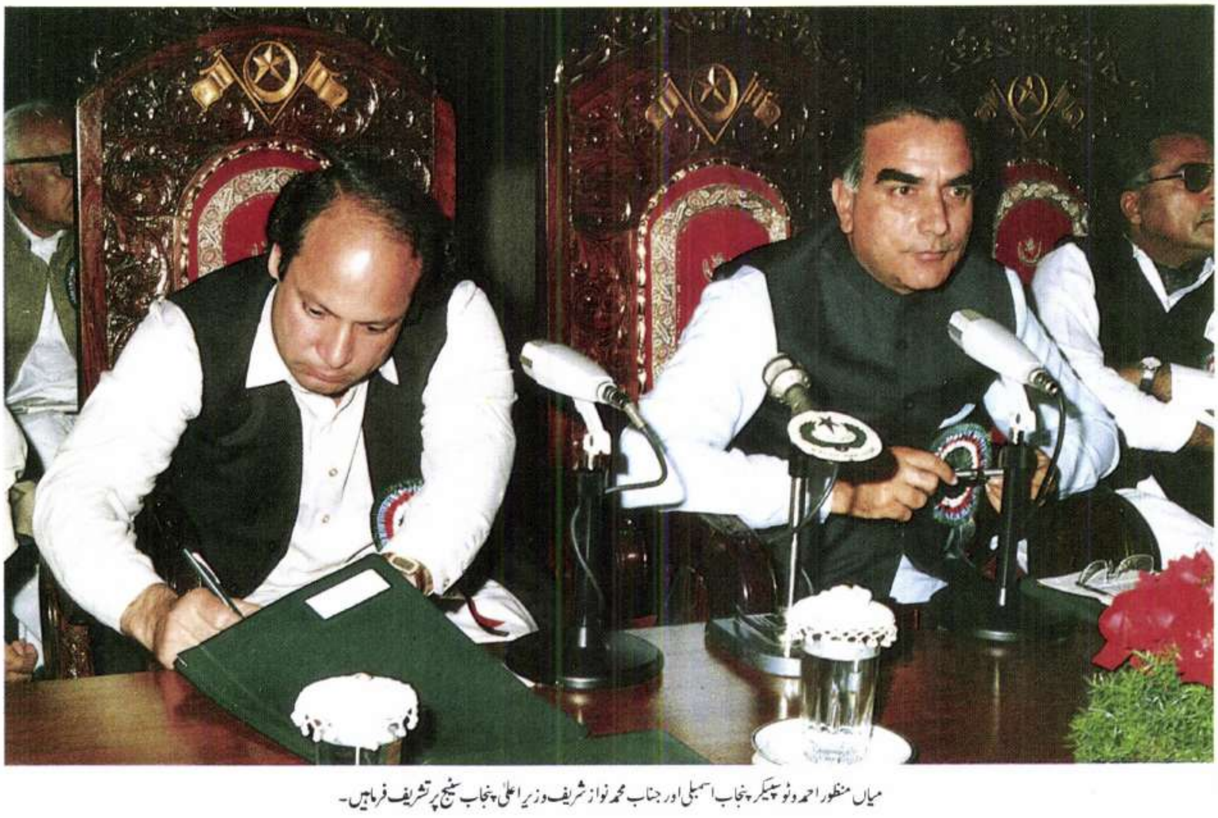

میاں منظور احمد وٹو سپیکر پنجاب اسمبلی اور جناب محمد نواز شریف وزیر اعلیٰ پنجاب سٹیج پر تشریف فرما ہیں۔

میں آتی ہیں۔ میں اپنی ہی بات کروں کہ اگر ہم کیلے کے چھلکے سے پھسل جاتے ہیں تو ہم تحریک استحقاق (پروِلج موشن) دے دیتے ہیں۔ کسی افسر کو ملنے جاتے ہیں وہ نہیں ملتا۔ ہم پروِلج موشن دے دیتے ہیں۔ یہ دراصل پروِلجز نہیں ہیں۔ پروِلجز تو وہی ہیں جو قانون میں ہمارے لئے متعین کردہ ہیں۔ یہ بھی آپ کے پرولجز میں ہے کہ اگر کوئی ممبر کسی مقدمے میں گرفتار ہوتا ہے تو گرفتار کرنے والے افسر کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ فوری طور پر سپیکر اسمبلی کو مطلع کرے۔ یہ بھی آپ کے پرولجز میں ہے، کہ جناب سپیکر، اسمبلی کی جو حدود متعین کرتے ہیں ان حدود میں سیشن کے دوران نہ تو کسی قسم کا سمن ان سے تعمیل کرایا جاسکتا ہے، نہ کوئی پراسس ان سے تعمیل کرایا جاسکتا ہے، نہ انہیں گرفتار کیا جاسکتا ہے۔ تاوقتیکہ اس کی ماقبل اجازت جناب سپیکر سے حاصل نہ کرلی جائے۔ یہ ہمارے بنیادی پرولجز ہیں جو کہ قانون اور آئین کے تحت ہمیں حاصل ہیں۔ پرولجز کے متعلق بہت کچھ کہا جاسکتا ہے۔ چونکہ وقت تھوڑا ہے اس لئے باقی باتیں سوال وجواب پر چھوڑتا ہوں۔ اس کی زیادہ تشریح میں نہیں جاتا۔ کیونکہ اس کے سلسلے میں اخبارات کے ذریعے پہلے بھی اس کی مکمل وضاحت کی جاچکی ہے۔

تحریک التواء

اب میں تھوڑا سا تحاریک التوا کا ذکر کرتا ہوں۔ تحریک التوا ایک خاص نوعیت کا حق ہے جو اراکین کو دیا جاتا ہے۔ چونکہ قواعد کے مطابق اسمبلی کی کارروائی صرف اور صرف قانون سازی کے لئے ہوا کرتی ہے اس لئے اسے قانون ساز ادارہ ہی کہا جاتا ہے اور ایام کار میں ایک دن غیر سرکاری کام کے لئے مخصوص کردیا ہے اور باقی ایام سرکاری کام کے لئے ہوتے۔ بات تو یہی ہے کہ قانون سازی میں ہی سارا وقت گزرے مگر نہیں۔ پارلیمانی روایات کے تابع یہ گنجائش رکھی جاتی ہے کہ لازمی طور پر ملک میں کئی ایسے واقعات بھی رونما ہوجاتے ہیں، صوبے میں ایسے حالات بھی پیدا ہو جاتے ہیں یا ایسا واقعہ رونما ہوجاتا ہے جس کی وجہ سے باقی سب کام چھوڑ کر اس پر توجہ دینا ضروری ہوتا ہے۔ اس کے لئے ایک طریقہ کار رکھا گیا ہے کہ تحریک التوا پیش کی جائے جسے انگریزی میں Adjournment Motion کا نام دیا جاتا ہے۔ پارلیمانی نظام کے تابع یہ تحریک التوا دراصل ایک Censure Motion ہوتی ہے جو حکومت کے خلاف مذمت کی تحریک ہوتی ہے اور پیش کی جاتی ہے اور ہم بدقسمتی سے آج تک نہیں سمجھ سکے۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری اکثر صوبائی اسمبلیوں اور قومی اسمبلیوں میں بھی حکومتی پارٹی کے ارکان بھی تحریک التوا دیتے ہیں اور اپوزیشن کے ارکان بھی تحریک التوا دیتے ہیں دراصل یہ تحریک التوا جیسا کہ ابھی ابھی عرض کرچکا ہوں حکومت کے خلاف تحریک مذمت ہوا کرتی ہے اور اس کا پارلیمانی روایات میں جو ترجمہ کیا گیا ہے اس میں اسے Censure Motion کا نام دیا جاتا ہے۔ اس لئے صرف اور صرف ان اراکین کو قانون کے تحت نہیں بلکہ روایات کے تحت اس کا حق حاصل ہوتا ہے جو حکومتی پارٹی سے تعلق نہ رکھتے ہوں۔ کیونکہ حکومتی پارٹی کے اراکین کو اس قسم کے معاملات اور دیگر معاملات حکومت کے سامنے پیش کرنے کے لئے مزید بہت سے طریقے اور بہت سے ذرائع حاصل ہوتے ہیں۔ جبکہ حزب اختلاف کو اس کا موقع بہت کم ملتا ہے اس لئے یہ حق دیا جاتا ہے۔ چونکہ بہت سے واقعات ایسے ہوتے ہیں جو تحریک التوا کے Four Corners میں نہیں آتے مگر ہوتے بہت ضروری ہیں جن کی طرف حکومت کی توجہ دلانا بہت ضروری ہوتا ہے، اس کے لئے بھی ایک الگ طریقہ کار وضع کیا جاتا ہے۔

تحریک التواء سے متعلق قواعد

ہمارے موجودہ قواعد کے مطابق تحریک التوا صرف فوری نوعیت کے، اہم ترین اور فوری وقوع پذیر واقعات کے بارے میں دی جاسکتی ہے جو حکومت کے کام اور حکومت کی مشینری سے متعلق ہوں اور جن میں اسمبلی کی دخل اندازی ضروری ہو اور ہمارے قواعد کے مطابق (بعض اسمبلیوں کے قواعد کچھ مختلف ہیں) یعنی ہماری قومی اسمبلی کے قواعد کے مطابق کارروائی شروع ہونے سے دو گھنٹے پہلے دی جاسکتی ہے۔ مگر صوبائی اسمبلی پنجاب میں اب ایک گھنٹے کا وقت مقرر ہے، کارروائی شروع ہونے سے ایک گھنٹہ قبل آپ تحریک التوا پیش کرسکتے ہیں۔ اگر وہ کسی ایسے واقعہ پر مبنی ہے جو دستاویزی ہے تو اس کے ساتھ دستاویز کا لگانا ضروری ہے اور قواعد میں دیئے گئے تمام لوازمات کو پورا کر کے جب تحریک جناب سپیکر کے پاس پہنچتی ہے تو وہ اس کا جائزہ لیتے ہیں اور سب سے پہلے سپیکر یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ آیا یہ تحریک اس قابل ہے کہ اسے In Order قرار دیا جائے۔ اور اگر وہ محسوس کرلیں کہ یہ تمام قانونی تقاضے پورے کرتی ہے تو اس کے بعد وہ اس تحریک کو باضابطہ قرار دے دیتے ہیں اور جب تحریک باضابطہ قرار دے دی جائے تو پھر ایوان میں اگر کوئی اس تحریک کے خلاف اعتراض کردے کہ مجھے اس تحریک پر اعتراض ہے تو پھر جناب سپیکر اراکین کو کہتے ہیں کہ جو اس تحریک کے حق میں ہیں وہ کھڑے ہوجائیں۔ اب پنجاب اسمبلی میں یہ تعداد ۱۶ ہے۔ قومی اسمبلی میں موجود اراکین کی اکثریت ہے مختلف اسمبلیوں نے اپنے مختلف طریقہ کار رکھے ہوئے ہیں۔ اگر مطلوبہ تعداد اس تحریک کے حق میں کھڑی ہوجائے تو جناب سپیکر اسے منظور کرلیتے ہیں اور جب وہ تحریک منظور ہوجائے تو پھر اس کے لئے ایک دن مقرر کیا جاتا ہے جس میں دو گھنٹے کا وقت اس پر بحث کے لئے مقرر کرتے ہیں وہ وقت جب شروع ہوتا ہے تو فوری طور پر ان کی توجہ دلائی جاتی ہے کہ اسمبلی May do now adjourn اور اس کے بعد اس تحریک پر بحث شروع ہوجاتی ہے اور ہر رکن کو دس منٹ کا وقت دیا جاتا ہے البتہ محرک اور وزیر کو اس کے لئے ۳۰ منٹ کا وقت دیا جاتا ہے۔ کیونکہ ہمارے ہاں ابھی تک قواعد انضباط کار پرانے ہی چلے آرہے ہیں اور اسمبلیوں نے اپنے لئے بہت کم وضع کئے ہیں۔ اکثر اوقات یہ قباحت محسوس ہوتی رہی ہے کہ کوئی بھی تحریک ایسی نہیں ہے جو Four Corners کے اندر ہو اور تمام تر لوازمات کو پورا کرے اور وہ منظور ہوجائے۔

کال اٹینشن موشن رائج کرنے کی ضرورت۔

بہت سے معاملات ایسے ہوتے ہیں جن کا فوری نوٹس لینا اور ان کی طرف حکومت کی توجہ مبذول کروانا بہت ضروری ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں یہ چشم پوشی ہوتی ہے کہ جس قسم کی بھی تحریک التوا آئے اس کو فی الحال پڑھنے کے لئے دے دیا جاتا ہے۔ دراصل وہ تحریک التوا نہیں ہوتی۔ انڈیا نے اس کا نام Call Attention Motion رکھا ہوا ہے۔ یہ طریقہ کار چونکہ مختلف ہے اس لئے میں اس کی طرف نہیں جانا چاہتا اس کے لئے ہماری قومی اسمبلی میں یہ تجویز زیر غور ہے کہ ہم بھی اس نوعیت کا ایک آدھ گھنٹہ رکھ لیں جسے Call Attention Motion کہا جائے مگر وہ انڈیا کی طرز پر نہ ہو بلکہ اس کا مقصد صرف یہ ہو کہ اراکین کسی بھی فوری نوعیت کے معاملہ کو ایوان میں پڑھ لیں۔ ۔ حکومت اس کو نوٹ کر لے اور اس کا کوئی جواب دینا چاہتی ہو تو دے دے مقصد یہ ہے کہ اس کی توجہ مبذول کروائی جائے اور اس کے تقاضے بھی پورے ہو جائیں مگر تحریک التوا کے جو تقاضے ہیں ان تقاضوں کے مطابق تحریک التوا کو آنا چاہئے۔ یہ ایک لازمی امر ہے۔

پوائنٹ آف آرڈر

اس کے ساتھ ساتھ تیسرا آئیٹم جو میرے سپرد کیا گیا ہے وہ پوائنٹ آف آرڈر کا ہے۔ پوائنٹ آف آرڈر ایک اہم ترین حق ہے جو اراکین کو اپنی بات کرنے کے لئے ایک طریقہ مہیا کرتا ہے دوران کارروائی اگر کوئی رکن کوئی بات کہنا چاہے تو کس طرح کہے اس کے لئے پارلیمانی آداب کے تحت کھڑے ہو کر پوائنٹ آف آرڈر کہنا پڑتا ہے اور پھر جناب سپیکر جب رکن کا نام پکار لیں تو اس کے بعد وہ اپنا مافی الضمیر بیان کرتا ہے اب اس کے لئے بھی قواعد میں ایک پابندی ہے یہ بات نہیں کہ پوائنٹ آف آرڈر کہنے کے بعد ہم جو چاہیں کہیں، جس موضوع پر چاہیں بولیں، جس موضوع پہ چاہیں بات کریں قواعد اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتے۔ پوائنٹ آف آرڈر کے لئے لازمی ہے کہ وہ کسی قانون، قاعدہ کی Interpretation کے لئے اٹھایا جائے، اس کی توضیح اور تشریح کے لئے اور اس پر سپیکر کا فیصلہ لینے کے لئے اٹھایا جائے، اب اس پر بھی مزید پابندی یہ ہے کہ قانون و قواعد کی کوئی تشریح لینی ہے، کوئی توضیح لینی ہے تو اس بات کی اجازت نہیں کہ ہر وقت ہر جگہ پر اور ہر قانون اور ہر موضوع پر ہم جناب سپیکر کا فیصلہ لیں قطعاً نہیں بلکہ اس پر بھی پابندی یہ ہے کہ وہ اس Issue سے Relevant ہو جو اس وقت اسمبلی کے سامنے زیر بحث ہے اس سے متعلق اگر کسی قاعدہ یا قانون کی تشریح مطلوب ہے، کوئی خلاف ورزی ہو رہی ہے یا کوئی غلط کام ہو رہا ہے تو اس کے بارے میں جناب سپیکر کی توجہ مبذول کروائی جاتی ہے اور ان کے نوٹس میں لایا جاتا ہے اور جو بھی قانون و قواعد زیر بحث معاملہ سے متعلق ہوں ان کے بارے میں توضیح و تشریح جناب سپیکر سے مانگی جاتی ہے۔ اور جناب سپیکر اس امر کے پابند ہوتے ہیں کہ وہ ان پوائنٹ آف آرڈر کا فیصلہ کریں اور اس کے بارے میں اپنی رولنگ دیں اور یہ بھی قواعد میں ہے کہ جب کسی پوائنٹ آف آرڈر پر جناب سپیکر فیصلہ دے دیں تو پارلیمانی روایات اور آداب کے تابع ان فیصلوں کو چیلنج نہیں کیا جاتا اور ان فیصلوں کو من و عن تسلیم کر لیا جاتا ہے اور ان پر مزید بحث نہیں کی جا سکتی۔

یہ موضوعات تھے جو وقت کی کمی کے پیش نظر میں نے مختصراً آپ کی خدمت میں پیش کر دیئے ہیں ان کے علاوہ قواعد میں ان کا مکمل طریقہ کار موجود ہے۔ وقت کو بچانے کے لئے میں قواعد کا دوبارہ ذکر نہیں کرتا کیونکہ ان کی تشریح پر خاصا وقت صرف ہوتا ہے اگر کسی دوست کو کوئی سوال کرنا ہو تو انشاء اللہ سوال و جواب کے وقت میں تعمیل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

بہت بہت شکریہ......!

چودھری محمد انور بھنڈر سابق سپیکر مغربی پاکستان اسمبلی تقریر فرمارہے ہیں

آداب وروایات ایوان

چوہدری محمد انور بھنڈر، سابق سپیکر مغربی پاکستان اسمبلی

جناب سپیکر سرحد اسمبلی، سپیکر پنجاب اسمبلی، محترم وزیر اعلیٰ پنجاب، وزرائے کرام و معزز اراکین اسمبلی!

اراکین پنجاب اسمبلی کے اس عظیم سیمینار کو خطاب کرتے ہوئے میں اپنے لئے ایک منفرد عزت اور خوشی محسوس کرتا ہوں اور جناب سپیکر کا ممنون ہوں کہ انہوں نے اس سیمینار کا اہتمام کر کے مجھے یہ موقعہ مہیا فرمایا۔

اس قسم کے سیمینار منعقد کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے جہاں نمائندے اپنے فرائض منصبی کے طریق کار، مشکلات اور مسائل پر گفتگو کر سکیں اور پھر اسمبلی کے اندر اپنی کارکردگی کو خوب سے خوب تر بنا سکیں کوئی فرد یا ادارہ مکمل ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اس میں اصلاح اور ترقی کا پہلو ہمیشہ موجود رہتا ہے۔ اس لئے باہمی مشاورت سے اگر ہم جمہوری اداروں کی کارکردگی کو بہتر بنا سکیں تو وہ ملک و ملت کے لئے مفید ہو گا۔

جناب سپیکر! اس سیمینار میں مجھے "آداب وروایات ایوان" کے موضوع پر اظہار خیال کرنا ہے۔ یہ ایک وسیع موضوع ہے اور اس مختصر وقت میں شاید اس موضوع کا مکمل جائزہ نہ لے سکوں لیکن کوشش کروں گا کہ اس کا ایک خاکہ ضرور آپ کے سامنے پیش کروں۔

جمہوری روایات

قانون ساز ادارے جمہوریت کی جان ہیں اور جمہوری روایات ان اداروں کی شان، یہ ادارے جہاں آئین اور قانون کے تحت چلتے ہیں وہاں بہت حد تک وہ مسلمہ جمہوری روایات کے بھی مرہون منت ہوتے ہیں۔ دنیا کی مادر پارلیمنٹ تو صرف روایات کے سہارے ہی اپنی منزل کی طرف گامزن ہے۔ قوانین اور قواعد ہر سوال اور مسئلہ کا جواب مہیا نہیں کرتے اس لئے اچھی روایات کا سہارا لینا ہی پڑتا ہے۔ ویسے بھی انسانی زندگی میں روایات کو بہت بڑا دخل ہے۔ اس لئے اعلیٰ روایات کو اپنانا اور اچھی روایات قائم کرنا ہر جمہوری ادارے کے لئے لازم ہے۔ عمدہ روایات کسی فرد، قوم یا اسمبلی کی وراثت یا جاگیر نہیں۔ ہر قوم اور ادارہ نئی روایات قائم کر سکتا ہے اور اچھی روایات کو اپنا سکتا ہے۔ پارلیمانی زندگی اور اسمبلی کی کارگذاری میں ہمیں صرف دوسرے ممالک کی تقلید ہی نہیں، بلکہ اپنے طور پر عمدہ اور نئی روایات قائم کرنا ہوں گی۔ یہ ضروری نہیں کہ ہم ہاؤس آف کامنز یا ہاؤس آف لارڈز کی روایات کو ہی پیش نظر رکھیں بلکہ ہمیں خود ایسی روایات کو جنم دینا ہو گا کہ جن کی تقلید دوسرے ممالک کریں۔ حزب اقتدار اور حزب اختلاف کے تقدس، ممبران کے حقوق کی حفاظت، باہمی رواداری اور احترام، صحت مندانہ تنقید اور فرائض منصبی کی ادائیگی کے متعلق ہمیں نہایت عمدہ روایات قائم کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ تاکہ آنے والی نسلیں ان پر گامزن ہو کر شہری حقوق کی حفاظت کر سکیں۔ نمائندگی کے فرائض بطریق احسن سرانجام دیں اور جمہوری اداروں کی عزت و وقار میں اضافہ کر سکیں۔

اعلیٰ پارلیمنٹرین

جب میں تاریخ کے آئینے میں اس کرہ ارض کو دیکھتا ہوں تو قانون ساز مسلمانوں کی بہت قد آور شخصیتیں نظر آتی ہیں۔ قیام پاکستان سے قبل قائد اعظم محمد علی جناحؒ، خان لیاقت علی خان، راجہ غضنفر علی، سردار عبدالرب نشتر، میاں مشتاق احمد گورمانی، شیخ کرامت علی، میر مقبول محمود اور ملک برکت علی کی تقاریر ہمارے لئے مشعل راہ ہیں اور پاکستان بننے کے بعد میاں عبدالباری، شیخ خورشید احمد، مولوی فرید احمد، اختر الدین اور محبوب الحق کے ارشادات ہماری پارلیمانی رپورٹوں کو مزین کئے ہوئے ہیں۔ اور ان عظیم شخصیات سے ہماری پارلیمانی تاریخ مرصع ہے۔ ملک کے لئے ان کی سیاسی خدمات کے علاوہ ان کا پارلیمانی ریکارڈ بھی ہمارے لئے قابل تقلید ہے۔ ہمیں آج بھی ضرورت ہے کہ ان جیسے پارلیمنٹرین پیدا کریں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض لوگوں میں پیدائشی خصوصیات موجود ہوتی ہیں۔ لیکن یہ بات بھی درست ہے کہ محنت کوشش اور لگن سے بھی قومیں اپنی ضروریات کے مطابق باصفات لوگ پیدا کرتی ہیں۔ اگر آج ہم ان کی تقاریر پڑھ کر محظوظ ہوتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ دور حاضر میں بھی ایسے پارلیمنٹرین پیدا نہ ہوں جو آنے والی نسلوں کے لئے مشعل راہ ثابت ہوں۔ لیکن اس میں سخت محنت اور لگن کی ضرورت ہے۔ جب تک پارلیمانی زندگی کو شوق کے طور پر نہ اپنایا جائے یہ منزل نہیں پائی جا سکتی۔ ہر

اسمبلی کے لئے اچھے پارلیمنٹرین پیدا کرنا ایک بہت اچھی روایت ہے۔ پارٹی سسٹم میں یہ ذمہ داری حزب اقتدار اور حزب مخالف دونوں پر عائد ہوتی ہے۔ حزب مخالف میں شیڈو کیبنٹ کا تصور بھی اعلیٰ پارلیمنٹرین اور اچھے تجربہ کار حکمران پیدا کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ مغربی پاکستان اسمبلی میں بھی میں نے دیکھا کہ اکثر حزب اقتدار ہر قانون کو جلد پاس کرنے اور ہر بحث سے جلد از جلد نجات حاصل کرنے کی خاطر اپنے ممبران پر بولنے کی پابندی عائد کرتی تھی۔ جس کی وجہ سے پارٹی ڈسپلن کے تحت ممبر بے بس ہو کر ہاؤس کی زینت بنے رہتے تھے اور اپنی رائے دیا کرتے تھے۔ ایسا کرنے سے نہ تو ممبران کی صلاحیتیں اجاگر ہوتی ہیں اور نہ ہی اُن کی شخصیت ابھرتی ہے۔ میرے خیال میں یہ ایک اچھی روایت ہو گی کہ دونوں فریق یعنی حزب اقتدار اور حزب مخالف ممبران کو مواقع مہیا کریں کہ وہ بحث میں زیادہ سے زیادہ حصہ لیں اور موثر کردار ادا کر سکیں۔ حزب مخالف کے پاس گو وسائل نہیں لیکن مواقع ضرور ہوتے ہیں۔ اِس لئے اگر ہر اسمبلی اپنے دور میں چند اچھے پارلیمنٹرین پیدا کر جائے تو یہ نہ صرف اچھی روایت ہو گی بلکہ قوم کے لئے بے حد مفید ہو گا۔

محنت کی روایت

دنیا میں جن لوگوں نے ترقی کر کے نام پیدا کئے ان کی تاریخ پر اگر نظر ڈالی جائے تو ان کی کامیابیوں میں موقع کے ساتھ ساتھ ان کی شبانہ روز محنت کو بھی یقیناً دخل تھا۔ اسی طرح اچھا پارلیمنٹرین بننے کے لئے بھی محنت درکار ہے۔ آئین اور اسمبلی کے لئے قواعد و ضوابط پر اسے پورا عبور حاصل ہونا چاہئے روزمرہ کے قوانین سے واقفیت اور عوامی مسائل سے دلچسپی بھی ضروری ہے۔ پارلیمانی زندگی کے طالب علم کے لئے گھر کا کام بے حد لازمی ہے۔ بغیر تیاری کے اسمبلی ہال میں بیٹھنا سودمند نہیں ہے۔ اسمبلی کی رواں کارگذاری سے آپ کو پوری طرح آگاہ ہونا چاہئے۔ زیر بحث مسئلہ پر پوری تیاری کریں اور پھر مناسب موقع پر اپنے خیالات کا اظہار کریں۔ کسی مسئلہ پر پوری چھان بین کے بغیر اظہار خیال کرنا اچھی روایت نہیں۔ لہٰذا جس طرح وکالت، ڈاکٹری یا کاروباری پیشہ میں محنت اور لگن کی ضرورت ہے اسی طرح پارلیمانی زندگی محنت کے بغیر نامکمل اور ادھوری ہے چنانچہ محنت بھی ایک اچھی جمہوری روایت ہے۔

اعلیٰ معیاری بحث کی روایت

قانون سازی کے خشک مضمون کو پارلیمنٹرین کی رنگین بیانی، جاندار تقریر اور بامقصد تنقید جلا بخشتی ہے اور اس کا بیان کارروائی اسمبلی میں اپنا کردار ادا کر کے اسمبلی کی طبع شدہ بحثوں میں ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جاتا ہے۔ آنے والی نسلیں بھی اسے بڑے شوق سے پڑھتی ہیں۔ قیام پاکستان سے قبل میر مقبول محمود جن کو بلبل پنجاب کے نام سے موصوف کیا گیا تھا۔ وہ حکومتی بینچوں پر بیٹھ کر کانگریس کی پرزور تنقید کا موثر جواب دیا کرتے تھے۔ آج بھی ان کی تقریریں کتابوں سے پڑھ کر دل مسرور ہوتا ہے۔ اس لئے ہماری کوشش ہونی چاہئے کہ اسمبلی کے بحث کے

سامعین کا ایک منظر

معیار کو بلند سے بلند تر کیا جائے۔ یہ ممبران کی ذاتی دلچسپی، قابلیت اور کاوش سے ممکن ہے۔ اگر محنت کی جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ مقصد حاصل نہ ہو اور آنے والے دور کا پارلیمنٹرین اس سے استفادہ نہ کرے۔ بحث کا اعلیٰ معیار ہی لوگوں کو اسمبلی کی گیلریوں میں کھینچ لاتا ہے۔ وگرنہ نمائندے تو عوام میں ہی رہتے ہیں۔ لیکن ایوان کے اندر عوامی نمائندگی کرتے ہوئے دیکھنے کی خواہش اور معیاری بحث سننے کی جستجو بھی لوگوں کو گیلریوں میں لے آتی ہے۔ اگر بحث کا معیار بلند ہو تو نہ صرف نمائندگان کی عزت و احترام میں اضافہ ہو گا بلکہ اسمبلیوں پر عوام کا اعتماد زیادہ پختہ ہو گا اور ان جمہوری اداروں کی افادیت بڑھے گی۔ اس لئے اعلیٰ اور معیاری بحث کی روایت قائم کرنا ازبس ضروری ہے۔

مثبت بحث اور جائز تنقید کی روایت۔

جناب سپیکر! قانون ساز ادارے جہاں ملک اور قوم کو قوانین مہیا کرتے ہیں وہاں یہ حکومت وقت اور ان کے محکموں کے لئے تازیانے کا کام بھی کرتے ہیں اور حکومت وقت کو نظم و نسق چلانے میں ان اداروں سے بہت مدد ملتی ہے۔ مقصد سب کا اصلاح معاشرہ اور خدمت قوم ہے آج کے حکمران کل کو حزب مخالف اور آج کی حزب مخالف کل کی حکومت ہو سکتی ہے۔ اس لئے ہاؤس میں بحث نہایت مثبت اور تنقید نہایت تعمیری ہونی چاہئے۔ آخر یہ اسمبلیاں اسی غرض کے لئے ہیں۔ پاکستان میں کوئی ہائیڈ پارک نہیں۔ ہماری اسمبلیاں ہی ہائیڈ پارک ہیں۔ جہاں کی ہوئی تنقید بھی قابل گرفت نہیں۔ اس لئے مثبت بحث اور جائز اور تعمیری تنقید کی روایات کو قائم رکھنا ہو گا۔ جناب سپیکر! مجھے یاد ہے کہ مغربی پاکستان اسمبلی میں مجھ سے بعض اوقات شکوہ کیا جاتا تھا کہ حزب مخالف کو زیادہ بولنے کا موقع دیتا ہوں۔ لیکن ایک تو ان کے پاس مواقع ویسے بھی زیادہ ہوتے تھے اور دوسرے میں یہ سمجھتا تھا کہ اسمبلی کے اندر مختلف نظریات اور خیالات کی پوری پوری ترجمانی ہونی چاہئے۔ پارلیمانی زندگی میں جب مقررین نے تنقید کی تو واہ واہ کے نعرے لگے اور پھر جب کسی تنقید کا مدلل جواب دیا گیا تو سننے والے تنقید ہی بھول گئے۔ مثبت اور بامقصد تنقید پارلیمانی مباحثوں کی جان ہے۔ اور اس کا موجود رہنا ایک صحت مند روایت ہے۔

ایوان کے ڈسپلن کی روایت

جناب سپیکر! کسی ہاؤس مجلس یا ادارے کا وقار اس کے اندر نظم و ضبط موجود ہونے سے قائم ہوتا ہے۔ اس میں کسی قسم کی کمی یا فروگذاشت یقیناً اس کے وقار کو مجروح کرتی ہے اسی غرض کے لئے اسمبلی کے قواعد و ضوابط کار بنائے جاتے ہیں۔ ان پر سختی سے عملدر آمد کرنے سے ہاؤس کے اندر نظم و ضبط برقرار رہتا ہے۔ اور دراصل غور سے دیکھا جائے تو نظم و ضبط قائم رکھنے سے ممبران کے شخصی اور مجموعی وقار میں اضافہ ہوتا ہے ہاؤس کی کارکردگی اور کارگذاری کو محض افسران اور گیلری میں بیٹھے ہوئے ناظرین ہی نہیں دیکھتے بلکہ صوبہ یا ملک کے تمام افراد کی نظریں اس طرف لگی ہوتی ہیں۔ اور وہ اخبارات میں کارروائی کا نہایت شوق اور دلچسپی سے مطالعہ کرتے ہیں۔ اور پریس کی عقابی نگاہیں بھی کارروائی دیکھتی ہیں۔ اس لئے ہاؤس میں نظم و ضبط قائم رکھنا بہت ضروری ہے۔ یہ تمام ممبران کے انفرادی اور اجتماعی تعاون سے ہی ممکن ہے اور اس کو برقرار رکھنا ایک ضروری جمہوری روایت ہے۔

سپیکر کے احترام کی روایت

جناب سپیکر! مجھے خوشی ہے کہ آپ اس ایوان کا کاروبار نہایت محنت اور خوش اسلوبی سے چلا رہے ہیں اور تحمل مزاجی، بردباری اور حوصلہ جو اس عہدہ کے لئے ضروری ہیں۔ آپ ان تمام صفات کے حامل ہیں لیکن میں یہ عرض کرنا ضرور چاہوں گا کہ سپیکر، اسمبلی کا چہرہ ہے اس کی عزت، اسمبلی کا تقدس ہے اس کے احترام میں اسمبلی کا وقار مضمر ہے۔ اس کی شخصیت انصاف، رواداری اور غیر جانبداری کی مظہر ہوتی ہے۔ اس کا حسن کارکردگی اسمبلی کی کارروائی کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ اگرچہ اسے ایک پارٹی نامزد کرتی ہے لیکن پورا ہاؤس اسے منتخب کرتا ہے۔ اور منتخب ہونے کے بعد وہ غیر جانبدار ہونے کا اعلان کرتا ہے۔ اور روایات کے مطابق وہ کسی پارٹی کا نہیں بلکہ سارے ہاؤس کا نمائندہ ہوتا ہے وہ ہر ممبر کا دوست ہے مگر ہاؤس کے اندر اس کا کوئی دوست نہیں۔ وہ اپنی عظمت میں تنہا ہے۔ اسلئے ہر رکن اسمبلی پر انفرادی طور پر اور اسمبلی کے لئے مجموعی طور پر احترام سپیکر لازم ہے۔ اس سے ممبران کی عزت اور اسمبلی کے وقار میں اضافہ ہو گا۔ جناب سپیکر! اس عہدہ کی مشکلات جانی جا سکتی ہیں۔ بتلائی نہیں جا سکتی۔ غلط فہمی بہت جلد پیدا ہوتی ہے۔ اور ممبران کو بہت جلد شکوہ پیدا ہوتا ہے۔ لیکن سپیکر کی غیر جانبداری اور انصاف پسندی دراصل حکومت کی عظمت، حزب اختلاف کا وقار اور ہاؤس کی شان ہے۔ بسا اوقات مشکل فیصلے کرنا پڑتے ہیں لیکن اس عہدہ کی روایات یہ ہیں کہ کوشش کی جائے کہ اسمبلی کا کام نہ رکے۔ حزب اقتدار کا کام چلے۔ اور حزب اختلاف کو اپنا مؤقف بیان کرنے کا پورا موقع ملے، اور تمام فیصلے انصاف اور جمہوری طریقوں سے ہوں۔

قائد ایوان اور قائد حزب اختلاف

قائد ایوان اور قائد حزب اختلاف کا انتخاب ایک پرانی پارلیمانی روائت ہے جس سے اسمبلی کی کارگذاری میں نظم و ضبط پیدا ہوتا ہے۔ قائد ایوان اکثریت کے لیڈر ہونے کی وجہ سے تمام ہاؤس کے لئے قابل احترام ہوتے ہیں اور ان کو ہاؤس میں اپنا منفرد مقام حاصل ہے۔ ان کی راہنمائی سے ہی کاروبار اسمبلی سرانجام دیا جاتا ہے۔ لیکن قائد حزب اختلاف کا اپنا مقام ہے اس لئے ان کو اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی کے لئے ضروری سہولتیں مہیا کی جاتی ہیں۔ تاکہ وہ خاطر خواہ طور پر اپنے فرائض سرانجام دے سکیں۔ ان کا احترام بھی ضروری ہے۔ گو قائد حزب اقتدار اور قائد حزب مخالف مختلف گروپوں یا پارٹیوں کے سربراہ ہوتے ہیں، لیکن ان کی عزت و تعظیم سارے ہاؤس کا فرض ہے اور یہ ایک بہتر جمہوری روایت ہے۔ ان کے تعاون سے

ہاؤس کو اپنی کار گذاری میں خاصی مدد ملتی ہے اور ان کے باہمی تعاون اور مشورے سے ایوان کا کاروبار چلانا ایک صحت مند جمہوری روایت ہے۔

پابندی وقت

جناب سپیکر! پابندی وقت کی روائت انسانی زندگی میں بالعموم اور پارلیمانی نظام میں بالخصوص بہت اہم ہے۔ اجلاس کی کارروائی کا وقت مقررہ پر شروع ہونا اور اختتام پذیر ہونا بہت ضروری ہے۔ اور مقررہ وقت کی پابندی کرنا بے حد لازم ہے۔ جب اسمبلی کا اجلاس وقت مقررہ پر شروع نہ ہو تو اس کا تاثر عوام پر اچھا نہیں ہوتا وقت بھی ضائع ہوتا ہے اور اسمبلی کا کام بھی کم ہوتا ہے۔ جس قدر حکومت کے اہلکاران اسمبلی کے کام سے متعلق ہوں ان کا وقت بھی ضائع ہوتا ہے۔ اور بقیہ کام پر بھی اثر پڑتا ہے اس لئے اسمبلی کے اجلاس ہوں یا سٹینڈنگ کمیٹی کے ان میں پابندی وقت کی روائت کو برقرار رکھنا بہت ضروری ہے۔ یوں بھی پابندی وقت سے ہر انسان کو زیادہ سہولت اور آسانی ہوتی ہے اور کام بھی باقاعدہ اور زیادہ ہوتا ہے۔

کورم

جناب صدر! ایوان میں کورم کا موجود رہنا ایک اچھی روائت ہے۔ ہر حکومت وقت اور برسر اقتدار پارٹی کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ ایوان ہمیشہ کورم میں رہے۔ تاکہ کاروبار نہ رکے۔ لیکن کئی دفعہ کورم ٹوٹنے کی خبریں پریس کے ذریعے عوام تک پہنچتی ہیں تو اس سے ممبران کی کارروائی اسمبلی میں عدم دلچسپی کا تاثر ملتا ہے۔ اور بسا اوقات کورم نہ ہونے کی طرف توجہ مبذول نہیں کرائی جاتی۔ بہرحال کورم کا موجود نہ ہونا اچھی روائت نہیں اور دیکھنا یہ ہے کہ کورم کیوں ٹوٹتا ہے۔ دراصل نمائندگان کو عوام ہی ہاؤس میں بیٹھنے نہیں دیتے۔ اور اپنے ذاتی کاموں کے لئے ان کو لئے پھرتے ہیں کیونکہ اوقات اسمبلی میں ممبران یا وزراء صاحبان کو ملنا آسان ہے۔ اس لئے کورم ہاؤس کی بجائے وزراء کے کمروں میں ہوتا ہے............ میں یہ سمجھتا ہوں کہ عوام کو اسمبلی کے اوقات میں اپنے نمائندگان کو تکلیف نہیں دینا چاہئے اور ان کو موقعہ دینا چاہئے کہ وہ تمام تر توجہ سے اجلاس میں حاضری دیں۔ کورم رہے۔ ان کی دلچسپی ہو اور ایک اچھی روائت بھی قائم ہو۔

استحقاق ممبران

جناب سپیکر! اسمبلیوں میں اکثر تحاریک استحقاق پیش ہوتی ہیں۔ ان پر مختصر بحث ہو کر کچھ واپس لے لی جاتی ہیں۔ کچھ سٹینڈنگ کمیٹی کو برائے رپورٹ ارسال ہو جاتی ہیں۔ ممبران اسمبلی ہمارے معاشرہ کا اعلیٰ ترین طبقہ ہے جن سے حکومت جنم لیتی ہے۔ ان کے حقوق کا تقدس اور نگہداشت بلاشبہ ایک امر لازم ہے۔ آئین پاکستان کے آرٹیکل ۶۶ اور ۱۲۷ کے تحت اسمبلی کے ممبران کو ہاؤس کے اندر تقریر کرنے کی پوری آزادی ہے اور کوئی ممبر اس تقریر کی بنا پر قابل گرفت نہیں ہے لیکن دوسرے حقوق اور مراعات وہی ہوں گے جن کا قانون تعین کرے۔ گو ممبران صوبائی اسمبلی کے استحقاق وہی ہیں جو قومی اسمبلی کے ممبران کے ہیں لیکن جب سے یہ اسمبلی یا قومی اسمبلی معرض وجود میں آئی ہے ممبران کے استحقاق و مراعات کی نسبت کوئی نیا، جامع اور واضح قانون نہیں بنایا گیا۔ حالانکہ ہر روز تحاریک استحقاق پیش ہوتی اور نپٹائی جاتی ہیں۔ ضروری ہے کہ اسمبلی کے ممبران کے استحقاق کا پورا تعین کر کے ان کی نسبت واضح قانون بنایا جائے تاکہ کسی قسم کا کوئی ابہام نہ رہے۔ اور ممبران کا استحقاق واضح اور جامع ہو۔ یہ مسئلہ محض روایات پر نہیں چھوڑ دینا چاہئے۔

تحاریک التوا

جناب سپیکر! اسمبلیوں میں تحاریک التوا بہت کثرت سے پیش ہوتی ہیں۔ دراصل پارلیمانی جمہوریت میں تحریک التوا حکومت وقت کے خلاف ہوتی ہے۔ تحریک التوا کے پاس ہو جانے سے حکومت ٹوٹ جاتی ہے۔ دراصل اس کا کامیاب ہونا حکومت کے خلاف تحریک عدم اعتماد تصور کیا جاتا ہے۔ نہایت فوری اور سنگین عوامی نوعیت کے معاملہ کی نسبت حکومت کے تغافل یا بے توجہی کی نسبت تحریک پیش کی جاتی ہے جس میں استدعا ہوتی ہے کہ اسمبلی کے مقررہ کام کو روک کر اس معاملہ پر فوری بحث کی جائے۔ چونکہ ہاؤس کا وقت بہت قیمتی ہوتا ہے اس لئے تحاریک التوا پارلیمانی روایات کے مطابق بہت کم پیش کی جاتی ہیں۔ مگر ہمارے ہاں اس کا رواج پڑ گیا ہے۔ اور اب حکومت کے بنچوں پر بیٹھے ہوئے ممبران کی طرف سے بھی تحاریک التوا پیش کی جارہی ہیں حالانکہ یہ تحاریک التوا تحریک عدم اعتماد ہوتی ہیں۔ میرے خیال میں اگر Call Attention Notice کے ذریعہ کسی فوری نوعیت یا اہم مسئلہ پر بحث کر لی جائے تو وہ زیادہ مناسب ہو گا۔ یا پھر فوری نوعیت کے ایسے معاملہ کی نسبت سوال دے کر اس کے جواب پر قاعدہ نمبر ۵۲ کے تحت بحث کر لی جائے تو وہ زیادہ موزوں ہو گا۔ اور پھر Short Notice Question کی اجازت زیادہ فراخدلانہ دینی چاہئے اور ان کے جوابات سے بھی وہ مقصد حل ہو سکتا ہے جو تحاریک التوا کے ذریعہ سے ممبران حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ طریق کار جمہوری روایات کے مطابق بھی ہو گا۔

بجٹ

جناب سپیکر! بجٹ ہمیشہ اسمبلی کی منظوری کے تابع ہوتا ہے۔ ہمارے ملک میں بجٹ سرکاری اہلکاران تیار کرتے ہیں۔ محکمے اسمبلی سے رقوم طلب کرتے ہیں۔ بجٹ بنا کر اس کی ضخیم کتابیں اسمبلی میں پیش کر دی جاتی ہیں۔ اور مجوزہ بجٹ میں سے اگر ایک روپے کی تحریک تخفیف زر منظور ہو جائے تو مغربی پارلیمانی روایات کے مطابق حکومت کو مستعفی ہونا پڑتا ہے۔ اس لئے بجٹ مجوزہ میں کوئی ردوبدل بھی حکومت کے وقار کا مسئلہ بن جاتا ہے۔ اس لئے ممبران بجٹ پر عام بحث تو کرتے ہیں۔ اپنے علاقہ

کے مطالبات پیش کرتے ہیں لیکن ان کو محض نوٹ کر لیا جاتا ہے۔ اس لئے صحیح معنوں میں بجٹ عوامی نمائند گان کے مطالبات اور خدمات کی عکاسی نہیں کرتا بلکہ بیورکریسی کا تیارہ کردہ ہوتا ہے۔ قانون ساز ادارہ ہر مسودہ قانون میں تو ترمیم کرنے کا مجاز ہے اور بسااوقات حزب اختلاف کی ترامیم بھی منظور کر لی جاتی ہیں لیکن بجٹ میں ترمیم ہماری موجودہ پارلیمانی روایات میں شامل نہیں ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر بجٹ میں بھی ترمیمات کا طریق کار وضع کر لیا جائے تو یہ ایک بہتر جمہوری روایت ہو گی اور پھر جب ہمارے آئین میں حکومت کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک پیش کرنے کا واضح طریق کار موجود ہے تو پھر بجٹ میں کسی قسم کی ترمیم منظور ہونے سے حکومت کے خلاف عدم اعتماد متصور نہیں ہونا چاہئے۔ بلکہ اگر حکومت ہی مجوزہ بجٹ میں یا حزب اقتدار کے ممبران ہی اس میں مناسب اور معقول ترمیم چاہیں تو کوئی امر مانع نہ ہونا چاہئے تاکہ بعد ازاں ضمنی بجٹ پیش کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہو۔ اس تجویز پر بھی غور کرنا مناسب ہو گا کہ عوامی نمائند گان سے ان کے علاقہ کے منصوبہ جات ہر سال جنوری کے آخر تک لے لئے جائیں۔ پھر ان کی افادیت اور ٹیکنیکل پہلو پر غور کر کے اور تخمینہ وغیرہ لگوا کر ان کو بطور سکیم بجٹ میں شامل کیا جائے۔ اور اس غرض کے لئے پری بجٹ سیشن ہو جس میں آئندہ سال کے بجٹ کا خاکہ اور ڈھانچہ منظور کیا جائے تاکہ اس کے مطابق اور عوامی نمائند گان کی رائے کے مطابق بجٹ تیار ہو۔ اور بجٹ میں منظور شدہ سکیم ہائے پر مالی سال شروع ہوتے ہی عمل در آمد شروع ہو جائے۔ یہ تجویز گو مغربی جمہوریت اور پارلیمانی روایات سے مختلف ہے لیکن ہمارے حالات کے لئے میرے خیال میں موزوں ہے۔

پوائنٹ آف آرڈر

جناب سپیکر! اسمبلی کی کارروائی میں پوائنٹ آف آرڈر کو خاصی اہمیت حاصل ہے۔ اور پارلیمانی طریق کار کے مطابق جب بھی کوئی پوائنٹ آف آرڈر اٹھایا جاتا ہے۔ تو آپ کو فوراً اس کی طرف متوجہ ہونا پڑتا ہے اور جو رکن اسمبلی تقریر کر رہا ہوا سے بیٹھنا پڑتا ہے۔ دراصل پوائنٹ آف آرڈر کا مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی بات ہاؤس کے اندر خلاف ضابطہ ہو رہی ہو تو اس کی نشان دہی کی جائے تاکہ اسے قواعد وضوابط کے مطابق درست طور پر سرانجام دیا جائے لیکن پوائنٹ آف آرڈر محض بولنے کا بہانہ نہیں ہونا چاہئے۔ اس سے کارروائی اسمبلی میں بے قاعدگی پیدا ہوتی ہے۔ وقت ضائع ہوتا ہے۔ اور موضوع بدل جاتا ہے۔ اگر سپیکر صاحب پوائنٹ آف آرڈر مسترد کرتے ہیں تو وہ بھی متعلقہ رکن کے لئے قابل ستائش نہیں۔ پوائنٹ آف آرڈر کے منظور ہونے سے یقیناً ممبر کے علم کی تشہیر ہوتی ہے اور عزت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس لئے پوائنٹ آف آرڈر اسی وقت اٹھایا جانا چاہئے جب اشد ضروری ہو اور درست ہو۔ محض دوسرے ممبر کی تقریر ٹوکنے یا خود بولنے کے لئے پوائنٹ آف آرڈر اٹھانا اچھی روایت نہیں۔

پرائیویٹ ممبر بل

قانون سازی ایک نہایت ہی دلچسپ لیکن مشکل مضمون ہے۔ ہمارے ہاں عام طور پر جو مسودہ ہائے قوانین حکومت کی طرف سے پیش ہوں وہی منظور کئے جاتے ہیں۔ اس سے میری مراد صرف آج کی حکومت ہی نہیں بلکہ ہمیشہ جو بھی حکومت بنی اس نے یہی مناسب سمجھا کہ جو بھی قانون بنایا جائے اس کی محرک حکومت ہو تاکہ اس کی تمام تر ستائش حکومت کے کھاتے میں جائے۔ اس لئے پرائیویٹ ممبر بل بہت ہی کم پیش ہوئے۔ میرے خیال میں یہ طریق کار ہمیں بدلنا چاہئے۔ اور حکومت یا اسمبلی کو ہر اچھے قانون اور ترمیم کا خیر مقدم کرنا چاہئے۔ خواہ وہ حکومت کی طرف سے پیش ہو یا کسی ایک ممبر کی طرف سے۔ آخر کار اسمبلیوں میں نمائندے عوام کی بہتری کے لئے بیٹھے ہیں اور بہتر سوچ کہیں سے بھی ملے اسے اپنا لینے میں کوئی حرج نہیں۔ گو یہ طریق کار برطانوی پارلیمانی روایت سے ذرا ہٹ کر ہے لیکن امریکہ میں حکومت کوئی بل اسمبلی کے روبرو خود پیش نہیں کرتی تمام قوانین ممبران کی طرف سے پیش ہوتے ہیں خواہ وہ حکومتی پارٹی کے ہوں یا حزب اختلاف کے۔ ایسا کرنے سے ایک تو قانون سازی کی رفتار تیز ہو گی دوسرے نمائند گان میں قانون پیش کرنے اور انہیں منظور کرانے کا شوق اور جذبہ بڑھے گا۔ یہ عوام اور نمائند گان دونوں کے لئے بہتر ہو گا۔ اور قانون سازی کی ایک بہتر روایت قائم ہو گی۔

اسمبلی کے فیصلوں کا احترام

جناب سپیکر! قانون ساز ادارے نظام حکومت میں ارفع و اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔ ان کے فیصلے قوم کی تقدیر بدل دیتے ہیں۔ ان کو ایک نظام تبدیل کرنے کا بھی اختیار حاصل ہے۔ اس لئے ان کے فیصلوں کا احترام ایک اچھی روایت ہے۔ بجٹ یا قانون سازی میں تو ان کے اختیارات فیصلہ کن ہوتے ہیں لیکن دیگر معاملات میں بھی ان کی سفارشات کا احترام بہت ضروری ہے۔ گزشتہ ادوار میں دیکھنے میں آیا کہ اسمبلیوں کے متفقہ فیصلے بھی بعض اوقات نظر انداز کر دیئے گئے۔ یہ اچھی روایت نہ تھی۔

گو یہ ضروری ہے کہ اسمبلیوں کے فیصلے یا اظہار رائے عجلت میں نہیں بلکہ سوچ سمجھ کر اور پورے غور کے بعد کئے جائیں کیونکہ قانون سازی میں بھی اسی لئے ایک مسودہ قانون پر تین دفعہ غور کرنے کے بعد اسے منظور یا نامنظور کیا جاتا ہے۔ لیکن ایک دفعہ اگر اسمبلی پورے غور وخوص کے بعد کوئی قرار داد پاس کرے یا فیصلہ دے دے تو اس فیصلہ پر پورے احترام کے ساتھ عمل در آمد کیا جائے۔ اسمبلی کی سفارشات کو نظر انداز کرنا یا اسے معرض التوا میں ڈالنا اچھی روایت نہیں۔ ایسا کرنے سے ایوان کے وقار کو ٹھیس پہنچتی ہے۔ اور جمہوریت کے اصول کی نفی ہوتی ہے۔

اسمبلی سیکرٹریٹ میں معلوماتی سیل

جناب سپیکر! جہاں آپ دیگر منصوبہ جات تکمیل کروا رہے ہیں وہاں ایک پرانی تجویز پر بھی ضرور عمل کرائیں۔ ممبران کو کارروائی اسمبلی کے دوران مختلف اقسام کے بلز ریزولیوشن اور دیگر معاملات پر بحث کرنا ہوتی ہے کبھی آبپاشی اور زراعت کا

موضوع اور کبھی پولیس یا جنگلات کے متعلق معاملہ زیر بحث آ جاتا ہے۔ اور ان موضوعات پر مکمل بحث کرنے کے لئے ان کو ہر متعلقہ محکمہ کی اطلاعات اور اعداد و شمار مطلوب ہوتے ہیں۔ جو اس وقت فوری طور پر محکمہ متعلقہ سے بھی دستیاب نہیں ہو سکتے۔ اس لئے میری تجویز ہے کہ اسمبلی سیکرٹریٹ میں ایک سیل قائم کیا جائے جہاں تمام محکمے اپنی کارکردگی اور کارگزاری کے اعداد و شمار مہیا کریں اور تمام اعداد و شمار وہاں ہی دستیاب ہو جائیں۔ تاکہ ممبران اور کمیٹیوں کو اعداد و شمار حاصل کرنے میں دقت نہ ہو۔ اور وہ قانون سازی کے معاملہ میں اور بجٹ پر بحث کے دوران ان سے استفادہ کر کے اپنی مدلل اور مثبت رائے اسمبلی میں پیش کر سکیں۔

اسمبلی سیکرٹریٹ کا الگ ہونا اور تعمیر ہوسٹل

جناب سپیکر! اسمبلی کی خود مختاری ایک اعلیٰ روایت ہے۔ میں آپ کو مبارک باد دیتا ہوں کہ آپ نے اپنی کوششوں سے ایک دیرینہ مطالبہ منوا کر اسمبلی سیکرٹریٹ کو الگ کرا لیا ہے۔ یہ مطالبہ بہت پرانا تھا۔ الحمد للہ موجودہ حکومت نے اس کی افادیت محسوس کی اور اسے الگ کر دیا۔ اس سے یقیناً بہتر نتائج بر آمد ہوں گے اور اسمبلی کی کارکردگی میں یقیناً اضافہ ہو گا۔ دوسرا مطالبہ ایم پی اے ہوسٹل کی تعمیر کا تھا۔ معلوم ہوا ہے کہ جناب وزیر اعلیٰ نے اس سے بھی اتفاق کر لیا ہے۔ اس کے لئے وہ شکریہ کے مستحق ہیں۔ ممبران کے لئے پیپلز ہاؤس ناکافی ہو چکا تھا۔ اسمبلیوں کا وجود تو ہمیشہ قائم رہتا ہے۔ اس لئے ہوسٹل کی تعمیر ضروری ہے۔ اس سے عوامی نمائندگان کو اپنے فرائض منصبی بہتر طور پر ادا کرنے کا موقع ملے گا۔

پریس اور نمائندگان کا تعاون

جناب سپیکر! اسمبلیوں کے ساتھ قومی پریس کا تعاون ایک پرانی روایت ہے۔ پریس کے تعاون کے بغیر اسمبلی کی کارروائی کو عوام تک پہنچانا ناممکن ہے۔ اور ہر دور میں اسمبلی سیکرٹریٹ کا تعاون پریس سے رہا ہے۔ پریس کو رپورٹنگ میں مکمل تعاون حاصل ہونا چاہئے۔ ممبران کے اپنے مفاد میں ہے کہ ان کو پریس کا تعاون حاصل ہو۔ وگرنہ ان کی قیمتی سے قیمتی بات بھی ان کے حلقہ نیابت میں ان کے عوام تک نہیں پہنچ سکتی۔ پریس کی جانب سے صحت مندانہ تنقید بھی جمہوری اداروں کے فروغ کا سبب رہی ہے۔ اور ہمیشہ اس کا خیر مقدم کیا گیا ہے۔ پریس کو قانون سازی کے دوران اس سے پوری طرح واقف رکھا جائے تاکہ ہر قانون کے حسن و قبح پوری طرح منظر عام پر آ سکیں۔

آداب ایوان

جناب سپیکر! پارلیمانی روایات پر کافی گفتگو ہو چکی۔ اب دوسرے موضوع آداب ایوان پر بھی کچھ عرض کرنا چاہوں گا۔ ایک اعلیٰ پارلیمنٹرین کے لئے آداب ایوان سے نہ صرف واقف ہونا ہی ضروری ہے بلکہ عملاً ان کو بجا لانا بھی اس کے لئے لازم ہے۔ ان کی تفاصیل آپ کے قواعد و ضوابط میں بھی درج ہیں لیکن میں مختصر طور پر ان کو بیان کروں گا۔ گو یہ تفصیل مکمل نہیں ہے لیکن اہم آداب درج ذیل ہیں۔

۱۔ ...... سپیکر کے اختیار کو تسلیم کرتے ہوئے جب سپیکر بول رہا ہو آپ فوراً بیٹھ جائیں۔ سپیکر صاحب کے اختیار کو نہ صرف مانا جائے بلکہ عملاً بھی ظاہر کیا جائے کہ ان کے اختیارات اور احکامات پر عمل در آمد ہوتا ہے۔

۲۔ ...... صاحب سپیکر کی اجازت کے بغیر بولنا یا بولنے پر ضد کرنا بھی آداب ایوان کے منافی ہے۔

۳۔ ...... اپنی اپنی نشست پر ہی ممبران کو بیٹھنا چاہئے کیونکہ وہ اپنی نشست پر ہی سے بولتے ہوئے یا بیٹھے ہوتے شناخت کئے جائیں گے۔

۴۔ ...... ایوان میں بیٹھ کر کارروائی اسمبلی کو پوری توجہ سے سننا چاہیئے اور اس میں حصہ لینا چاہئے کسی دیگر ممبر کے ساتھ باتیں کرنا ٹھیک نہیں اور نہ ہی توجہ کسی دوسری طرف ہونی چاہئے۔

۵۔ ...... ایوان میں بیٹھ کر کوئی اخبار یا رسالہ کا مطالعہ توہین ایوان ہے۔ کیونکہ ایوان کے وقار کا تقاضا ہے کہ ہاؤس کے اندر ہر شخص کارروائی کی طرف پوری طرح متوجہ ہو۔

۶۔ ...... ایک ممبر کے بولتے ہوئے یا تقریر کے دوران میں بلاوجہ مداخلت نہ کی جائے اور اس کا جواب اپنی باری پر تفصیل سے دیا جائے۔

۷۔ ...... کسی ممبر کے تقریر کرتے ہوئے سپیکر صاحب اور بولنے والے ممبر کے درمیان سے نہ گزرا جائے۔

۸۔ ...... کارروائی اسمبلی کے دوران وزراء صاحبان کے پاس جانے سے اجتناب کیا جائے۔ اور ان کو اپنے متعلقہ کاموں سے پریشان نہ کیا جائے۔ اگر ملنا مقصود ہو تو ان کے دفتر میں ملا جائے۔

۹۔ ...... ایک دوسرے پر ذاتی حملے نہ کئے جائیں۔ اور بیک وقت ایک دوسرے کو جواب دینے سے پرہیز کیا جائے۔

۱۰۔ ...... کارروائی کے دوران عملہ اسمبلی کے پاس بار بار جانے سے پرہیز کیا جائے۔ اور ہر قسم کا رابطہ دفتر کے ذریعہ رکھنا چاہئے۔

۱۱۔ ...... ایوان کے اندر آپ کی تقریر کا لہجہ ہتک آمیز یا کسی کے لئے توہین آمیز نہیں ہونا چاہئے۔

۱۲۔ ...... ممبران کا ایوان کے اندر ہر فعل اور عمل قواعد و ضوابط کار کے مطابق ہونا چاہئے۔

۱۳۔ ...... ایوان کے اندر جب بھی کوئی بات کی جائے تو جناب سپیکر کو مخاطب کر کے کی جائے۔

۱۴۔ ...... جب سپیکر صاحب خطاب کر رہے ہوں تو کسی فاضل ممبر کو اٹھ کر ہال سے باہر نہیں جانا چاہئے۔ اگر باہر جانا مقصود ہو تو ان کی تقریر یا ارشادات کے بعد جایا جائے۔

۱۵۔ ...... پریس گیلری، آفیسر گیلری یا ناظرین کی گیلری میں بیٹھے ہوئے کسی شخص سے اشارتاً یا کنایتاً کوئی بات نہ کی جائے۔

۱۶۔ ...... تقریر کے دوران یا ایوان میں بولتے ہوئے غیر پارلیمانی یا ناشائستہ الفاظ استعمال نہ کئے جائیں۔ جو بعد ازاں سپیکر صاحب کو کارروائی سے حذف کرنے پڑیں۔

جناب سپیکر! میں نے اس سیمینار میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اور جس صبرو تحمل سے آپ نے اور فاضل شرکاء نے انہیں سنا ہے میں اس کے لئے آپ سب کا تہہ دل سے ممنون ہوں۔

لوگ آئیں گے۔ حکومتیں بنیں گی۔ بدل جائیں گی۔ اسمبلیاں منتخب ہوتی رہیں گی۔ اپنی میعاد پوری کر کے ختم ہو جائیں گی۔ لیکن یادیں قائم رہیں گی۔ کارہائے نمایاں یاد رکھے جائیں گے۔ تاریخ اپنے اوراق میں ان کو محفوظ کر لے گی۔ اور آنے والی نسلوں کو کھول کھول کر بتائے گی کہ ان کے اسلاف نے ان کو کیا دیا۔ وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا اپنی رفتار سے گزر جاتا ہے۔ اس لئے وقت کو غنیمت جان کر ہم کوشش کریں کہ ایسی روایات کا قیام عمل میں آئے کہ آنے والی نسلوں کے سامنے ہم سرخرو ہو سکیں۔ اپنی صلاحیتوں کے مطابق اپنا کردار ادا کریں۔

اللہ میاں آپ کو سرخرو فرمائیں۔ پاکستان کو استحکام بخشیں اور اس میں جمہوری ادارے پھولیں پھلیں۔ آمین......

سلسلہ سوال و جواب

سوال نمبر ۱

قانون استحقاقات

محترم ایوب صاحب۔

جناب سپیکر! میرا سوال حاجی سیف اللہ خان سے ہے کہ وہ اس کی وضاحت فرمائیں کہ Breaches of Privileges کے لئے ہمیں اسمبلیوں میں کوئی قانون بنانا چاہئے یا نہیں؟

جواب

حاجی محمد سیف اللہ خان۔

یقینی طور پر ایسے قانون ہونے چاہئیں اور اس کا مقننہ کو مکمل طور اختیار ہے کہ وہ خود کو تحفظات فراہم کرنے کے لئے پریولجز ایکٹ کے نام پر قانون بنا سکتی ہے۔

سوال نمبر ۲

اسمبلی میں غلط جواب دینے کی ذمہ داری

میاں محمد افضل حیات۔

اسمبلی میں وقفہ سوالات میں جو سوالات پوچھے جاتے ہیں، اگر کسی سوال کا جواب غلط ہو تو اس صورت میں اس کا کون ذمہ دار ہے اور اسکے خلاف کیا کارروائی ہو سکتی ہے؟

جواب

حاجی محمد سیف اللہ خان

پارلیمانی روایات اور ایوان کے تقدس کو ملحوظ رکھتے ہوئے حکومت کے لئے لازم ہے کہ وہ کسی بھی پوچھے جانے والے سوال کا جواب درست دے۔ اب اس کا انحصار ہمیشہ ہاؤس پہ ہوا کرتا ہے۔ زیادہ تر Rulings یہ ہیں کہ کسی سوال کا صرف جواب غلط ہونے سے استحقاق مجروح نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے یہ ثابت کرنا لازمی ہے کہ یہ غلط جواب دانستہ طور پر دیا گیا ہے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ دانستہ طور پر سوال کا جواب غلط دیا گیا ہے تو پھر استحقاق مجروح ہوتا ہے۔ اور اگر یہ ثابت نہ ہو سکے کہ یہ جواب دانستہ طور پر دیا گیا ہے بلکہ نیک نیتی سے جواب صحیح دینے کی کوشش کی گئی ہے مگر اتفاقاً کسی وجہ سے غلط جواب آیا ہے تو اس سے استحقاق مجروح نہیں ہوتا۔

میاں محمد افضل حیات۔ اس کی کارروائی کیا ہے؟

حاجی محمد سیف اللہ خان۔

اس کی کارروائی یہ ہوتی ہے کہ جب بھی کوئی رکن یہ محسوس کرے کہ یہ جواب غلط ہے تو وہ اپنا ثبوت اس کے ساتھ شامل کر کے تحریک استحقاق پیش کرتا ہے کہ یہ جواب دانستہ طور پر غلط دیا گیا ہے اور جناب سپیکر اگر یہ اطمینان کر لیں کہ واقعی Prima Facie یہ ثابت ہوتا ہے کہ جواب دانستہ طور پر غلط دیا گیا ہے تو جس طرح دوسرے استحقاقات کے معاملے میں کارروائی ہوتی ہے اسی طرح اس کو بھی باقاعدہ ایوان میں زیر بحث لا سکتے ہیں اور اس کو مجلس استحقاقات میں بھیج کر اس کے لئے باقاعدہ سزا بھی تجویز کی جا سکتی ہے۔

سوال نمبر ۳

اسمبلی میں آئینی نکات کی تشریح

میاں محمد زمان، ایم این اے۔

میرا سوال جناب حاجی سیف اللہ سے ہے۔ یہ طے شدہ امر ہے کہ آئین اور قانون کی وضاحت اور Interpretation عدلیہ کی ذمہ داری ہے۔ کیا آئینی نکات کو تحریک استحقاق کے ذریعے ایوان کے اندر زیر بحث لایا جا سکتا

ہے؟ جیسا کہ ہماری قومی اسمبلی کی گزشتہ دو سال کی کارروائی یہ ظاہر کرتی ہے کہ بہت سے آئینی نکات کو تحریک استحقاق کے ذریعے وہاں پر زیر بحث لانے کی کوشش کی گئی۔

حاجی محمد سیف اللہ خان

مجھے آپ سے بالکل اتفاق ہے۔ اس امر کا فیصلہ کرنا سپیکر کا کام ہے کہ کون سے نکات اور توضیحات ایسی ہیں جن کا فیصلہ کرنا خود ان کا کام ہے اور کون سے نکات اور توضیحات ایسی ہیں جو صرف عدالتوں میں کی جا سکتی ہیں۔ جہاں تک ان نکات کے اٹھانے کا سوال ہے، اگر وہ قانون، قواعد اور پوائنٹ آف آرڈر کی نوعیت کے ہیں تو ان کو اٹھایا جاسکتا ہے۔ البتہ اس پر فیصلہ کرنے کا اختیار جناب سپیکر کو ہے کہ کس کا جواب ان کو دینا ہے اور کس کا نہیں دینا۔ کون سی چیز عدالت کے دائرہ کار میں آتی ہے اور کون سی جناب سپیکر کے یا اسمبلی کے فرائض میں ہے یہ فیصلہ کرنا ان کا کام ہے۔

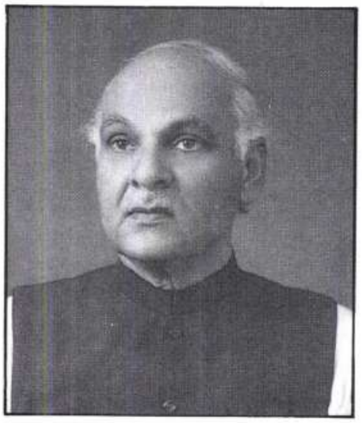

سید حسنات احمد ایم پی اے

سوال نمبر ۴

موجودہ قانون استحقاقات کافی نہیں ہے

سید حسنات احمد۔

میرا سوال بھی حاجی صاحب سے متعلق ہے۔ اور تحریک استحقاق سے تعلق رکھتا ہے۔ حاجی صاحب نے تحریک استحقاق کا ذکر کرتے ہوئے صرف دو یا تین مدوں کا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ مجھے May's Parliamentary Practice اور کول کی کتاب پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ ان میں اس سلسلے میں تقریباً تین تین چار چار باب دیئے ہوئے ہیں کیا حاجی صاحب بتائیں گے کہ جو ہمارا ایکٹ ہے یا جو انہوں نے آج باتیں کی ہیں، جہاں تک تحریک استحقاق کا تعلق ہے، کیا وہ اس کو کافی سمجھتے ہیں؟

جواب

جناب سپیکر۔

حاجی صاحب نے یہ بتایا تھا کہ استحقاق پر تو بہت کچھ کہا جاسکتا ہے۔

حاجی محمد سیف اللہ خان

بلکہ میں نے کہا تھا کہ اس پر دو دن بحث کی جاسکتی ہے۔

سید حسنات احمد

میں اس سوال کو اس طریقے سے کروں گا کہ حاجی صاحب کے خیال میں کیا موجودہ ایکٹ کافی ہے؟

حاجی محمد سیف اللہ خان

بالکل نہیں۔

سید حسنات احمد

اگر کافی نہیں ہے تو اس سلسلے میں وہ کیا کر رہے ہیں؟

حاجی محمد سیف اللہ خان۔

اس کا حق اسمبلی کو ہے اور اسمبلی با اختیار ہے کہ وہ اپنے لئے قانون وضع کرے۔ اگر قانون نہیں ہے تو اس میں کسی باہر کی قوت یا حکومت کا نقص نہیں ہے۔ بلکہ یہ اسمبلی کا اپنا کام ہے اور یہ فرض اسمبلی کو خود بجالانا چاہئے۔

سوال نمبر ۵

اسمبلی کے طریق کار پر کتاب کی تصنیف

سید حسنات احمد۔

میرا آخری سوال یہ ہے ۔ کہ آپ نے دیکھا ہو گا کہ جہاں جہاں جمہوریت کام کر رہی ہے وہاں اس کے متعلق متعدد اہل قلم کتابیں لکھتے ہیں جیسا کہ انگلینڈ، امریکہ یا انڈیا میں ہے۔ حالانکہ آپ نے فرمایا تھا کہ پاکستان میں آٹھ دس سال جمہوریت کام کرتی رہی ہے، یہاں پر کسی آدمی پر اللہ تعالیٰ کی مہربانی نہیں ہوئی کہ وہ کوئی ایسا نیک کام کر سکے تو کیا ہم حاجی صاحب سے یہ توقع کر سکتے ہیں کہ وہ اس سلسلے میں کوئی کتاب لکھیں گے یا اس کے متعلق کم از کم کوئی چیز اسمبلی میں پیش کریں گے جس سے یہ کام پورا ہو سکے؟

جواب

حاجی محمد سیف اللہ خان

جناب والا! میں بہت شکر گزار ہوں کہ انہوں نے میری توجہ اس طرف دلائی ہے۔ بہرحال میں اس بارے میں کوشش کر رہا ہوں آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے توفیق دے کہ میں یہ خدمت بجالاؤں۔

سوال نمبر۶

قواعد میں ترمیم

ملک ممتاز احمد بھچر ۔

جناب والا! مقننہ کو مختلف قوانین بناتے ہوے رولز میں ترمیم کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ جب انڈیا میں Subordinate Legislation کے نام سے یہ اختیارات انہیں حاصل ہیں۔ ہمیں یہ اختیارات نہ دینے کی کیا وجوہ ہیں ؛ اگر دے دیئے جائیں تو کیا اچھائیاں یا برائیاں پیدا ہو سکتی ہیں ؟

جناب محمد انور بھنڈر ۔

Subordinate Legislation یا رولز کا بنانا حکومت کا کام ہے۔ اور جب بھی آپ مسودہ قانون پاس کرتے ہیں تو یہ اختیار ایک شق کے ذریعے آپ حکومت کو خود تفویض کرتے ہیں۔ اگر آپ وہ اختیار حکومت کو تفویض نہ کریں کہ وہ کسی ایوان کے کسی ایکٹ کے تحت رولز بنا سکے تو ظاہر ہے کہ وہ اختیارات آپ کے پاس رہیں گے لیکن عام طور آپ نے دیکھا ہو گا کہ ہر ایکٹ میں یہ دفعہ موجود ہوتی ہے۔ جب وہ شق آپ کے سامنے قانون سازی کے لئے آئے اس وقت آپ اس پر غور کر سکتے ہیں۔ اگر آپ اس میں یہ شق رکھ دیں کہ آپ ہی رولز بنائیں گے تو پھر آپ ہی رولز بنائیں گے حکومت نہیں بنائے گی۔

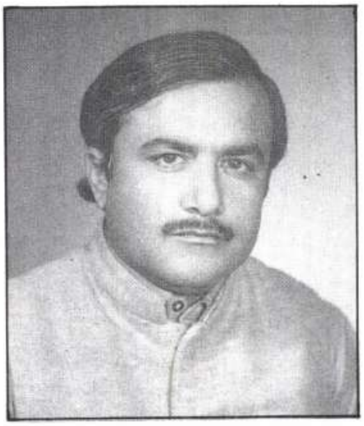

سردار عاشق حسین گوپانگ
ایم پی اے

سوال نمبر۷

وزراء کے قول و فعل میں تضاد

سردار عاشق گوپانگ ۔

میرا سوال جناب بھنڈر صاحب سے ہے کہ اگر کوئی وزیر کسی سوال کے جواب میں کچھ کہے اور اس کے بعد اس کے بر عکس عمل کرے تو کیا یہ بھی بریچ آف پریویلیج ہوگا

جواب

جناب محمد انور بھنڈر ۔

دانستہ طور پر غلط جواب دینا ایک بہت بڑا Breach of Privilege ہے۔ جواب دے کر اگر Commit کیا جائے کہ ایسا کیا جائے گا اور پھر ایسے نہ کیا جائے ۔ تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ Breach of Privilege ہے۔

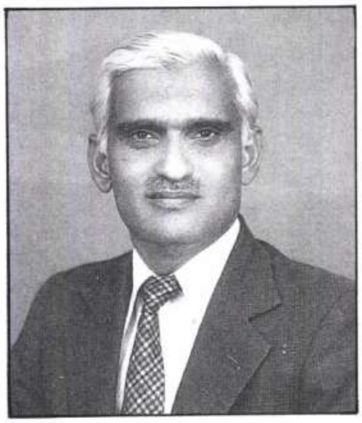

چودھری غلام رسول ایم پی اے

سوال نمبر۸

قواعد انضباط کار وضع کرنے کا اختیار

چودھری غلام رسول ۔

جناب سپیکر! میں یہ سوال کرنا چاہتا ہوں کہ پاکستان کے آئین کے آرٹیکل ۶۷ کے تحت اسمبلی کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ رولز آف پروسیجر کو Regulate کرے۔ اس میں اور جنرل کلاززایکٹ ۱۹۵۶ء میں تضاد ہے۔ اس میں یہ مذکور ہے کہ گورنر صاحبان ہی رولز frame کر سکتے ہیں جب کہ آرٹیکل ۶۷ میں ہاؤس کو یہ پاورز دی گئی ہیں ان میں واضح الفاظ ہیں کہ رولز آف بزنس اور رولز آف پروسیجر فار اسمبلی کو ہم Regulate کر سکتے ہیں۔ اس کے بارے میں جناب کیا وضاحت فرمائیں گے ؟

جواب

چودھری محمد انور بھنڈر ۔

جناب والا! میں اس کے متعلق یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ عام طور پر سابقہ اسمبلیوں میں یہ طریق کار رہا ہے کہ جب اسمبلیاں منتخب ہو کر آتی ہیں تو وہ اپنے قواعد

وضوابط وضع کرنے کے لئے باقاعدہ سپیشل کمیٹیاں بناتی ہیں جن کے سربراہ جناب سپیکر ہوتے ہیں۔ اس میں حزب اقتدار اور حزب اختلاف دونوں کے ممبران لئے جاتے تھے۔ ۱۹۶۲ء میں جب اسمبلی آئی تو اس کے بعد ان پر نظر ثانی کی گئی کیونکہ اس کا Pattern تو پہلے دیا ہوتا ہے۔ لیکن ضوابط کار بنانا اسمبلی کا اپنا کام ہے۔ مگر وقتی طور پر سابقہ بنے ہوئے قواعد کار اپنا لئے جاتے ہیں۔ جیسا کہ آج تک اپنائے جا رہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اسمبلی کو اپنے قواعد کار بنانے کے لئے ضرور اس پر نظر ثانی کرنی چاہئے۔ ایک کمیٹی ہونی چاہئے اور اس کے سربراہ سپیکر صاحب ہوں۔ اس میں حزب اختلاف اور حزب اقتدار کے ممبران شامل ہوں۔ قواعد کار پر نظر ثانی کر کے ان کو باقاعدہ جامع قواعد کار بنانا چاہئے۔

سوال نمبر ۹

اسمبلی میں آئین کی خلاف ورزی کا مسئلہ اٹھانا

جناب ریاض حشمت جنجوعہ۔

جناب والا! میرا سوال یہ ہے کہ اگر کسی رکن اسمبلی یا مجلس کا کوئی آئینی یا قانونی استحقاق پامال ہو تو یہ معاملہ تحریک استحقاق کے ذریعے اسمبلی میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ اگر حکومت یا کوئی فرد آئین کی خلاف ورزی کا مرتکب ہو رہا ہو تو اسمبلی میں اس کی نشان دہی کرنے کے لئے کوئی طریق کار قواعد میں وضع نہیں کیا گیا۔ اگر کیا گیا ہے تو میں چاہتا ہوں کہ حاجی صاحب اس کی وضاحت فرمادیں اور میرے سوال کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ قواعد اس امر کی اجازت نہیں دیتے کہ گورنر یا صدر کی ذاتی حیثیت کو زیر بحث لایا جا سکے۔ میں یہ پوچھنا چاہوں گا کہ کیا صدر یا گورنر کی سرکاری اور آئینی حیثیت کو زیر بحث لایا جا سکتا ہے یا نہیں؟

جواب

جناب حاجی محمد سیف اللہ خان۔

امور مملکت کو چلانے کے لئے ہمیشہ تین Organs ہوتے ہیں۔ مقننہ' انتظامیہ اور عدلیہ۔ مقننہ کا کام صرف اور صرف قانون سازی کرنا ہے اور اس قانون پر عمل کرانا اگر انتظامیہ سے متعلق ہے تو وہ انتظامیہ کا کام ہے۔ اگر عدلیہ سے متعلق ہے تو وہ عدلیہ کا کام ہے مقننہ ان قوانین کے سلسلے میں جو وہ وضع کرتی ہے عدلیہ اور انتظامیہ کے فرائض سرانجام نہیں دے سکتی۔ دوسرا سوال آپ نے صدر اور گورنر کی ذات کے بارے میں کیا تھا' چونکہ یہ ایک آئینی پابندی ہے' آئین میں درج ہے کہ صدر اور گورنر کی ذات کے بارے میں کوئی بحث اسمبلی میں نہیں کی جا سکتی ان کے سرکاری عہدہ کو آپ زیر بحث لا سکتے ہیں سرکاری فرائض کے بارے میں آپ بحث کر سکتے ہیں جہاں تک ان کے ذاتی معاملات کا تعلق ہے یا ان کی ذات کا تعلق ہے تو اسے آئین کے تحت زیر بحث نہیں لایا جا سکتا۔

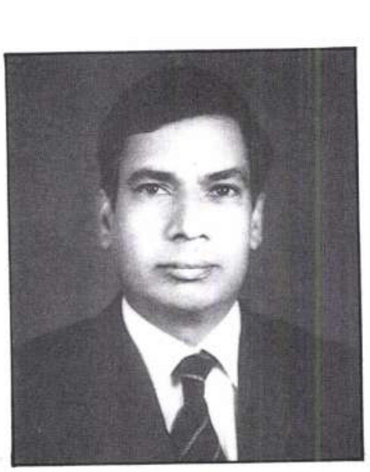

جناب عثمان ابراہیم ایم پی اے

سوال نمبر ۱۰

پوائنٹ آف آرڈر کا طریقہ

جناب عثمان ابراہیم

جناب سپیکر! میرا سوال جناب حاجی محمد سیف اللہ خان سے ہے۔ انہوں نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ یہ پارلیمانی روایت کے عین مطابق ہے کہ ہاؤس میں صرف سپیکر کو مخاطب کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ اگر کسی پوائنٹ آف آرڈر پر کوئی رکن بولنا چاہے تو اس کے لئے Chair سے اجازت لینا ضروری ہے اور جب تک Chair اجازت نہ دے تو کوئی ممبر پوائنٹ آف آرڈر نہیں اٹھا سکتا۔ اس سلسلے میں میں ان سے تھوڑی سی وضاحت چاہوں گا کہ پچھلے سال مجھے سابق قائد حزب اختلاف مرحوم جناب سید حسن محمود کے ہمراہ ہاؤس آف کامنز کی کارروائی سننے کا اتفاق ہوا۔ وہاں ہم نے یہ دیکھا کہ اگر کوئی ممبر کسی دوسرے ممبر کی تقریر کے دوران کوئی چیز پوچھنا چاہتا تھا تو وہ بغیر سپیکر کو مخاطب کئے اپنی Chair پر کھڑا ہوتا تھا اور وہ ممبر جو تقریر کر رہا ہوتا تھا وہ آرام سے بیٹھ جاتا تھا اور اس سلسلہ میں سپیکر بالکل Involve نہیں ہوتے تھے۔ دوسرے یہ کہ اگر کسی ممبر کو پوائنٹ آف آرڈر کے لئے اٹھنا پڑتا تھا تو وہ اٹھ کر ہماری طرح I am on a point of order کے الفاظ نہیں دہراتے تھے بلکہ وہ آرام سے اٹھتے تھے اور جو صاحب بول رہے ہوتے تھے وہ بھی بیٹھ جاتے تھے اور دوسرے ممبر پوائنٹ آف آرڈر کہے بغیر اپنا پوائنٹ آف آرڈر پیش کرتے تھے اور بعد میں اس کا جواب مل جاتا تھا۔ اس سلسلہ میں میں ان سے یہ گزارش کروں گا کہ کم از کم وہ یہ وضاحت فرمائیں گے کہ جب ہاؤس آف کامنز میں جسے Mother Parliament کہا جاتا ہے اس قسم کی روایات ہیں اور ہمارے ہاں بھی کوشش کی جاتی ہے کہ ان روایات کو اپنایا جائے تو ہماری روایات ان روایات سے کیوں مختلف ہیں؟

جواب

حاجی محمد سیف اللہ خان۔

آپ نے بہت اچھا نکتہ اٹھایا ہے۔ ایک ہے عمل اور ایک ہے قاعدہ۔ اگر کوئی قاعدہ کے خلاف عمل کرتا ہے تو وہ قطعی طور پر جائز عمل قرار نہیں دیا جاسکتا۔ عمل وہی جائز ہوتا ہے جو قانون و قواعد کے مطابق ہو۔ قواعد کے مطابق اگر کوئی بھی ممبر بات کرنا چاہتا ہے تو وہ لازماً پوائنٹ آف آرڈر کہے گا اور اس کے لئے ضروری نہیں ہے کہ سپیکر صاحب اس کو اجازت دیں یا وہ اجازت مانگے۔ اگر سپیکر صاحب اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں تو یہ تصور کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اسے پوائنٹ آف آرڈر اٹھانے کی اجازت دے دی ہے لہٰذا آپ نے جس چیز کا ذکر کیا ہے وہ عمل سے متعلق ہے۔ اگر عمل غلط ہے تو اس کی لازماً اصلاح ہونی چاہئے۔

سوال نمبر ۱۱

نظم و ضبط برقرار رکھنے میں سپیکر کا اختیار

خان صاحب ...... آپ نے فرمایا ہے کہ جب سپیکر صاحب بول رہے ہوں تو کوئی ممبر مداخلت نہیں کر سکتا۔ سوال یہ ہے کہ جب کوئی تجربہ کار پارلیمنٹرین سپیکر کی تقریر میں بار بار مداخلت کرے تو کیا اس کی مداخلت کو روکنے کے لئے سپیکر کو کوئی اختیار حاصل ہے؟

جواب

حاجی محمد سیف اللہ خان...... اسی صورت میں جناب سپیکر کو مکمل اختیارات حاصل ہوتے ہیں اور پارلیمانی روایات کے تابع پہلے وہ ٹوکتے ہیں کہ آپ یہ مسئلہ پیدا نہ کریں۔ اگر ان کے متنبہ کرنے کے باوجود بھی ممبر مصر ہو تو پھر دوسری بار اسے متنبہ کیا جاتا ہے۔ اگر اس کے بعد بھی وہ اصرار کرے اور ایوان کی کارروائی میں بیجا مداخلت کرنے کی کوشش کرے تو وہ انہیں ہاؤس سے باہر بھجوا سکتے ہیں۔ اور اگر وہ رضاکارانہ طور پر ہاؤس سے باہر جانے سے انکار کرے تو سارجنٹ ایٹ آرمز کے ذریعے اسے باہر بھیجا جا سکتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اگر کچھ حالات زیادہ سنگین ہو جائیں تو رکن متعلقہ کی رکنیت مخصوص عرصہ کے لئے معطل بھی کی جا سکتی ہے اور اس عرصہ کے دوران وہ ایوان میں نہیں آ سکتا۔

سوال نمبر ۱۲

پاکستان کا نظام حکومت

چودھری محمد رفیق...... میں حاجی محمد سیف اللہ صاحب سے یہ وضاحت چاہوں گا کہ کیا موجودہ طرز حکومت اپنی عملی شکل میں صدارتی ہے یا پارلیمانی؟

جواب

حاجی محمد سیف اللہ خان ...... یقینی طور پر یہ پارلیمانی ہے۔ ہمارا موجودہ آئین پارلیمانی ہے اور اس وقت پارلیمانی نظام کے تحت امور مملکت چلائے جا رہے ہیں۔

سوال نمبر ۱۳

موجودہ اسمبلی میں قانون سازی کے کام میں کمی

جناب فضل حسین راہی...... جناب والا! ہمارے ہاں ہوتا یہ ہے کہ تیرہ دن کے لئے سیشن طلب کیا جاتا ہے۔ سات دن کے لئے چھٹی ہوتی ہے۔ اور چھ دن Working ہوتے ہیں۔ اور آخری دن ایک بل آ جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ہمیں تیرہ دنوں میں قانون سازی نظر نہیں آتی۔ تو کیا ہم یہ سمجھیں کہ پنجاب کے تقریباً تمام قوانین مکمل ہیں۔ اور یہاں قانون سازی کی ضرورت نہیں ہے۔ دوسری بات میں یہ عرض کروں گا کہ ہمارے رولز اور قواعد و ضوابط بعض اوقات عوامی نمائندگی میں روکاٹ ڈالتے ہیں اور ان کو تبدیل کرنے کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔ لیکن اس ضرورت کو محسوس کرنے کے باوجود کسی حکومت نے انہیں نہیں بدلا؟

جواب

حاجی محمد سیف اللہ خان...... جو کچھ جناب فضل حسین راہی صاحب نے فرمایا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ اس کے سب سے بہتر جج وہ خود ہیں اور جتنے امور انہوں نے یہاں بیان فرمائے ہیں وہ سب اسمبلی کے اپنے دائرہ کار اور اپنے اختیارات سے متعلق ہیں اور اگر اسمبلی اپنے فرائض کی انجام دہی نہیں کرتی تو اس کے لئے ہم کسی اور کو مورد الزام نہیں ٹھہرا سکتے۔

جناب فضل حسین راہی...... جناب والا! قاعدہ نمبر ۱۹۲ ایوان کی زبان کے متعلق ہے اور اس کے تحت اردو عمومی زبان ہے۔ پنجابی بولنے کے لئے یا دیگر علاقائی زبانیں اختیار کرنے کے لئے ہمیں جناب سپیکر سے اجازت لینا پڑتی ہے اور انگریزی کے لئے اجازت نہیں لینا پڑتی۔ اب میں اس رول میں ترمیم کرنا چاہتا ہوں۔ میں کس طرح سے نوٹس دوں کہ فلاں رول کے تحت اس رول کو ختم کر کے اس سے ترمیم کی جائے۔

حاجی محمد سیف اللہ خان۔ رولز آف پروسیجر میں طریق کار دیا گیا ہے کہ آپ کسی بھی رول میں ترمیم کرنا چاہئیں تو اس کا نوٹس آپ اسمبلی سیکرٹریٹ میں دے دیں اور عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ اگر نوٹس غیر سرکاری ہے تو غیر سرکاری ایام کار میں آئے گا اور اگر سرکاری ہے تو سرکاری ایام کار میں آئے گا۔ اور اس مروجہ طریق کار کے مطابق آپ کسی بھی قاعدہ کو تبدیل کر سکتے ہیں۔

جناب فضل حسین راہی...... جناب سپیکر! میرا سوال یہ ہے کہ ایک Particular Rule میں تو ترمیم نہیں کی جا سکتی۔

جناب سپیکر! ......راہی صاحب! آپ تشریف رکھیں اور اگر مجھے آپ اجازت دیں تو میں آپ کی بات کی وضاحت کر دیتا ہوں۔ یہاں یہ Confusion ہے اور اس کو جناب محمد انور بھنڈر اور حاجی صاحب آپ دونوں دور کر دیں کیونکہ اسمبلی کے قواعد و ضوابط کو تبدیل کرنے کے لئے ہمارے قواعد و ضوابط میں کوئی طریق کار نہیں ہے۔ اور کچھ صاحبان کی یہ رائے ہے کہ اگر اسمبلی کے قواعد و ضوابط کو تبدیل کیا جا سکتا ہے تو اسمبلی بحیثیت مجموعی تمام قواعد و ضوابط کو تبدیل کرنے کی مجاز ہے لیکن کسی ایک قاعدہ یا کسی دو رولز میں اگر کوئی ممبر ترمیم کرنا چاہے تو وہ نہیں کر سکتا۔ جناب فضل حسین راہی یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ اگر وہ کسی ایک رول میں ترمیم پیش کرنا چاہیں تو وہ کس قاعدہ کے تحت کریں۔

چودھری محمد انور بھنڈر...... جناب سپیکر! میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ آئین کے تحت یہ شق رکھی گئی ہے کہ ہر اسمبلی اپنے قواعد انضباط کار خود وضع کرے گی جس کا مقصد یہ ہے کہ کہ اسمبلی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنے سارے قواعد کار جیسا کہ آپ نے خود فرمایا، وضع کرے۔ میں نہیں سمجھتا کہ اگر اسمبلی کو سارے کے سارے قواعد کار وضع کرنے کا اختیار حاصل ہے تو ایک قاعدہ میں ترمیم کرنے کا اختیار کیسے نہیں ہے۔ یقیناً اسمبلی کو کسی ایک قاعدہ میں ترمیم کرنے کا بھی اختیار حاصل ہے۔ اور اگر سمجھ لیا جائے کہ یہ قواعد گورنر صاحب کے بنے ہوئے ہیں تو بہت سے قوانین آپ کے سامنے ایسے آتے ہیں۔ جن پر گورنر صاحب نے کوئی آرڈیننس یا کسی وقت کوئی آرڈر جاری کیا ہوتا ہے۔ اگر وہ آپ کے دائرہ کار اور دائرہ اختیار میں ہیں تو آپ ان میں بھی ترمیم کر سکتے ہیں۔ اس لئے میرے خیال میں اسمبلی مکمل طور پر با اختیار ہے۔ اگر کسی ایک رول میں بھی کوئی ترمیم کرنا چاہے تو کر سکتی ہے۔

حاجی محمد سیف اللہ خان...... جہاں تک وضاحت کا تعلق ہے میں سو فیصد جناب انور بھنڈر کی وضاحت سے متفق ہوں۔ اس میں اتنا اضافہ کروں گا کہ ابھی ابھی میں نے نوٹ کیا ہے کہ پنجاب اسمبلی کے رولز آف پروسیجر میں واقعی ایک خلا ہے کہ کوئی

Specific provision to amend the Rules

نہیں رکھی گئی۔ جب کہ ہماری نیشنل اسمبلی کے رولز میں با قاعدہ ایک پروویژن ہے کہ ہم کسی بھی قاعدے میں ترمیم کر سکتے ہیں۔ اصولی بات تو یہ ہے کہ رولز میں Specific Provision ہونی چاہئے تھی اور اگر یہ پروویژن رولز میں نہیں ہے تو یہ بھی رولز میں واضح طور پر موجود ہے کہ جو چیز رولز میں واضح نہیں ہے سپیکر صاحب اس کی Interpretation کرنے کا اختیار رکھتے ہیں۔ اور جس طرح انہوں نے فرمایا ہے کہ جناب سپیکر عام قواعد کی رو سے اور قانونی تقاضوں کے مطابق کسی ایک قاعدہ میں بھی ترمیم کرنے کی اجازت دے سکتے ہیں اور یہ قانون کے مطابق ہے۔

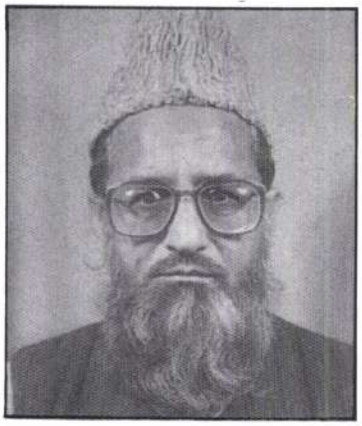

مولانا منظور احمد چنیوٹی ایم پی اے

سوال نمبر ۱۴

صدر، گورنر یا جج صاحبان کے بارے میں سوال

مولانا منظور احمد چنیوٹی...... جناب سپیکر! میں حاجی سیف اللہ خان سے یہ پوچھنا چاہوں گا کہ کیا اسلامی تعلیمات کے مطابق یہ اجازت ہے کہ صدر یا گورنر یا جج صاحبان کے متعلق کسی قسم کا کوئی سوال نہیں کیا جا سکتا۔ اگر یہ اسلامی تعلیمات کے منافی ہے تو کیا آئین میں اس کی اصلاح کرنے کے لئے کوئی تدبیر یا کوشش کی جا رہی ہے؟

جواب

حاجی محمد سیف اللہ خان.... جہاں تک اس کا اسلامی تعلیمات کے مطابق یا اس کے خلاف ہونے کا تعلق ہے مجھ سے بہتر علم جناب مولانا رکھتے ہیں۔ اور اس سلسلے میں میرے نزدیک وہ اتھارٹی کی حیثیت رکھتے ہیں جو کچھ میں نے کہا ہے وہ یہ ہے کہ آئین میں یہی کچھ درج ہے۔ رہا اس کو تبدیل کرنے کا سوال تو اس کے لئے پارلیمنٹ بالکل مجاز ہے اور حال ہی میں اس سلسلے میں ایک کمیٹی بھی تشکیل دی گئی ہے جو کہ پورے آئین کا جائزہ لے رہی ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ کمیٹی اس کے بارے میں لازماً غور کرے گی اور جب یہ مسئلہ ایوان میں پیش ہو گا تو اس پر یقینی طور پر ایوان بھی ضرور یہ کوشش کرے گا کہ اسلامی تعلیمات کے منافی جو بھی Provision کسی قانون یا آئین میں موجود ہیں ان کو فوری طور پر تبدیل کیا جائے۔

مولانا منظور احمد چنیوٹی...... جناب والا! اس وقت حزب اختلاف اور حزب اقتدار کا جو تصور ہے کیا اس کی اسلام میں گنجائش ہے یا نہیں؟

حاجی محمد سیف اللہ خان...... اس کے بھی بہتر جج آپ خود ہیں۔

مولانا منظور احمد چنیوٹی...... جناب والا! اس وقت تو ہم آپ سے قانونی امور کے بارے میں رہنمائی حاصل کر رہے ہیں۔

حاجی محمد سیف اللہ خان......میں توان امور کے بارے میں عرض کر سکتاہوں جو میں نے یہاں پر پیش کئے ہیں۔

سوال نمبر۱۵
حدود آرڈیننس پر عمل در آمد

مولانا منظور احمد چنیوٹی......تقریباً۸ سال سے حدود آرڈیننس نافذ ہے اور اس پر عمل در آمد نہیں ہوا۔ اس لئے کہ اب تک کسی ایک چور کا بھی ہاتھ نہیں کاٹا گیا۔ کسی ایک ڈاکو کو بھی شرعی سزا نہیں دی گئی۔ قانون موجود ہے تو پھر کیا رکاوٹ ہے کہ اس پر عمل در آمد نہیں ہورہا۔ یہ نافع اور مفید آرڈیننس ہے.جو سعودی عرب میں بھی رائج ہے۔ ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ اس کے نتیجے میں وہاں پر جرائم کی شرح کتنی کم ہے.جب کہ یہاں جرائم کی شرح روز بروز بڑھتی جارہی ہے۔ اس قانون پر عمل در آمد میں کیا رکاوٹ ہے اور اس رکاوٹ کو دور کرنے کے لئے آپ کیا کوشش کر رہے ہیں؟

جواب

حاجی محمد سیف اللہ خان...... قانون نے عدالت کو مکمل اختیار دیا ہے کہ وہ حدود آرڈیننس میں دی گئی سزا کے مطابق اپنا فیصلہ جس طرح بھی چاہے صادر کر سکتی ہے۔ یہ عدلیہ کا کام ہے اور عدلیہ کسی کیس کی نوعیت دیکھ کر جیسے مناسب سمجھتی ہے فیصلہ دیتی ہے۔ قانون اپنی جگہ پر بدستور موجود ہے' نافذ ہے اور چل رہا ہے۔ اور عدلیہ اس پر عمل کر رہی ہے۔ رہا یہ کہ اس پر کم عمل ہو رہا ہے یا زیادہ ہو رہا ہے تو اس میں قانون کا کوئی قصور نہیں ہے۔

مولانا منظور احمد چنیوٹی...... میں دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ وہ رکاوٹ کیا ہے اور اس کو دور کرنے کے لئے کیا تدبیر ہو رہی ہے؟

حاجی محمد سیف اللہ خان...... کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

سوال نمبر۱۶
مجالس قائمہ کے بارے میں قواعد

چودھری ارشاد علی۔ ......جناب والا! میں یہ پوچھنا چاہوں گا کہ جہاں رولز خاموش ہوں خاص طور پر جیسا کہ یہ سٹینڈنگ کمیٹیوں کا مسئلہ ہے سٹینڈنگ کمیٹیز بنائی تو گئی ہیں لیکن یہ صراحت نہیں ہے کہ ان کو اگر Dissolve کرنا ہو تو کون کرے گا یا چیئرمین کو اگر تبدیل کیا جانا مقصود ہو تو وہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اس کے متعلق آپ کے کیا ارشادات ہیں؟

جواب

حاجی محمد سیف اللہ خان...... پنجاب اسمبلی کے قواعد انضباط کار میں قاعدہ ۲۰۳ بالکل واضح ہے کہ جہاں پر قواعد خاموش ہوں اور کوئی واضح طریقہ کار نہ ہو تو قاعدہ نمبر ۲۰۳ کے تحت جناب سپیکر کو اختیار ہے کہ وہ رولنگ کے طور پر نہیں بلکہ

میاں منظور احمد وٹو سپیکر پنجاب اسمبلی اور جناب محمد نواز شریف وزیر اعلیٰ پنجاب سٹیج پر تشریف فرما ہیں۔

Regulate کر کے قواعد کی تشریحات کر سکتے ہیں اور اس کے بارے میں جس چیز کی ضرورت ہو اسے نافذ کر سکتے ہیں۔ اور اس پر عمل ہو سکتا ہے۔

بیگم بشریٰ رحمٰن ایم پی اے

سوال نمبر ۱۷

ضمنی سوالات کی نوعیت

بیگم بشریٰ رحمٰن...... جناب والا! میرا پہلا سوال یہ ہے کہ ہمارے ایوانوں میں وقفہ سوالات ہوتا ہے اور اس میں جن فاضل اراکین نے سوالات بھیجے ہوتے ہیں وہ اس کی مکمل تیاری کر کے آتے ہیں۔ لیکن عام حالات میں یہ دیکھا گیا ہے کہ ہمارے وزراء کرام تیاری کر کے نہیں آتے اور ہر ضمنی سوال کے بعد کہتے ہیں کہ یہ Fresh question ہے۔ اس کا کریڈٹ جناب انور بھنڈر کو جاتا ہے۔ سنا ہے کہ ان کے زمانے میں کسی فاضل رکن نے ان کو سمجھا دیا تھا کہ جس سوال کا جواب نہ آتا ہو اس کے جواب میں یہ کہہ دیا جاتا ہے Fresh Question ہے۔ اور ابھی تک وزراء اسی رائے سے استفادہ کر رہے ہیں۔ اور فرما دیتے ہیں کہ یہ Fresh Question ہے۔ جناب والا! اگر ضمنی سوال Fresh سوال نہ ہو اور وزراء کرام یا وزیر موصوف بار بار اس کے متعلق کہیں کہ یہ Fresh سوال ہے تو جناب اس کی ان سے باز پرس کیسے ہو سکتی ہے اور اسمبلی میں یہ کیسے ثابت ہو سکتا ہے اور ان کے لئے اس کی سزا کیا ہے کہ وہ پوری تیاری کر کے نہیں آئے۔ اور جناب والا جس طرح آج آپ نے یہ سیمینار منعقد کیا ہے اس کی روشنی میں اور بہت سے سوالات کے تشنہ رہ جانے کی صورت میں کیا میں یہ عرض کر سکتی ہوں کہ وزراء کرام کے لئے Session شروع ہونے سے پہلے دو یا چار دن کا ایسا کورس رکھا جائے جس میں وہ تمام سوالات کا جائزہ لے سکیں اور اراکین کو مطمئن کر سکیں۔

سوال نمبر ۱۸

پرائیویٹ بلوں کی حوصلہ شکنی

بیگم بشریٰ رحمٰن...... جناب والا! ابھی پرائیوٹ بل کے بارے میں بات ہو رہی تھی تو جناب محمد انور بھنڈر نے فرمایا تھا کہ یہ رسم جاری رہنی چاہئے لیکن ہمارے ہاں پرائیوٹ ممبرز بلوں کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے تو یہ رسم کیسے جاری رہے؟

جناب سپیکر! آپ کا مطلب یہ ہے کہ پرائیویٹ ممبرز بل کو بھی Encourage کیا جانا چاہئے۔

بیگم بشریٰ رحمٰن...... جی ہاں۔ جو کچھ جناب انور بھنڈر نے کہا ہے میں نے اس کی روشنی میں کہا ہے کہ اس رسم کو آگے چلنا چاہئے۔

جواب

چودھری محمد انور بھنڈر...... جہاں تک سپلیمنٹری سوال کا تعلق ہے اس کا فیصلہ تو ہمیشہ سپیکر صاحب کو کرنا ہوتا ہے کہ جو سوال کیا گیا ہے کیا سپلیمنٹری سوال اس سے نکلتا ہے۔ اور وہ Relevant ہے یا نہیں؟ اور ہمیشہ سپیکر اپنی صوابدید کے مطابق یہ دیکھتا ہے کہ کیا یہ سوال الگ سوال تو نہیں ہے اور اگر الگ سوال ہو اور فاضل وزیر صاحب اس کے متعلق کہیں کہ مجھے اس کے متعلق نوٹس چاہئے تو یہ سپیکر کی صوابدید اور اس کے فیصلے پر اس کا انحصار ہے کہ وہ ان کو الگ نوٹس کے لئے کہتے ہیں کہ آپ دوبارہ سوال کریں یا اس سوال کا ابھی جواب دیں لیکن میں صرف آپ کی اطلاع کے لئے ایک چھوٹا سا واقعہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ایک سوال بنیادی جمہوریت کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا یہ محکمہ ریلوے سے تعلق رکھتا ہے۔ جب ریلوے کی باری آئی تو ہم نے وہ سوال اس میں دہرا دیا تو ریلوے والوں نے کہا کہ یہ کمیونیکیشن ڈیپارٹمنٹ سے تعلق رکھتا ہے۔ چنانچہ جب کمیونیکیشن ڈیپارٹمنٹ کی باری آئی تو میں نے یہ سوال تینوں فاضل وزراء کے لئے رکھ دیا کہ یہ تینوں وزراء اگلی Sitting پر حاضر ہوں گے اور تینوں فاضل وزراء اس کا جواب دیں گے اور وہ جواب دیا گیا۔ مقصد یہ ہے کہ جو سوال ہاؤس میں کیا جائے اس کا جواب آئے اور بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ سپلیمنٹری سوال میں ایسی چیزیں ہوتی ہیں۔ جن کے لئے نیا نوٹس ضروری ہوتا ہے۔ اس کے لئے اگر سپیکر صاحب یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ آپ نیا نوٹس دے دیں تو آپ کو نیا نوٹس دینا چاہئے۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ اس سوال کے بارے میں ویسے ہی کچھ کہہ کر اس سے جان چھڑالی جائے۔ فاضل وزراء صاحبان کو اس سپلیمنٹری سوال کے لئے اچھی طرح اور پوری تیاری کے ساتھ آنا چاہئے اور ضمنی سوالات Anticipate کرنے چاہئیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہاؤس کے اندر وزراء کی قابلیت کی پہچان یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ ہر سپلیمنٹری کا جواب دیتے ہیں یا نہیں۔ اور ویسٹ پاکستان اسمبلی میں ایک روایت یہ بھی قائم ہوئی تھی کہ ہمارے جتنے سوال ہوتے تھے فرض کیجئے کہ ۱۲۰ سوال آتے ہیں تو جو وزراء صاحبان سوالوں کے جوابات Print کر کے بھجواتے تھے ان کی کارکردگی پر ہم ان کی ستائش بھی کیا کرتے تھے۔

جہاں تک آپ کے دوسرے سوال کا تعلق ہے اس کے بارے میں تو میں نے اپنے خیالات میں اس بات کا اظہار کیا ہے کہ پرائیویٹ ممبرز بل بھی آنے چاہئیں۔ ان کی Encouragement ہونی چاہئے۔ وہ اس لئے کہ جب بھی آپ پرائیویٹ ممبر بل دیں گے وہ سٹینڈنگ کمیٹی کے پاس جائے

گا۔ سٹینڈنگ کمیٹی کی اس کے بعد رپورٹ آئے گی پھر اسمبلی میں پیش ہو گا چاہے اس کے متعلق حکومت کالائحہ عمل یا خیال کچھ بھی ہو۔ ظاہر ہے اکثریت حزب اقتدار کی ہو گی لیکن پرائیویٹ ممبرز بل کو ضرور Encourage کیا جانا چاہئے۔ کیونکہ جو بھی سوچ ہو اس کو شروع میں ہی سلب یا Curb نہ کیا جائے۔ اس کو اسمبلی میں پورے غور کے بعد رد کیا جائے، یا منظور کیا جائے۔

سوال نمبر ۱۹

حزب اقتدار کے رکن کی تحریک التوا

سردار حسن اختر موکل۔۔۔۔۔ جناب والا! اگر کوئی ایسا واقعہ پیش آ جاتا ہے جو فوری طور پر اسمبلی کی مداخلت کا متقاضی ہو اور وہاں حزب اختلاف کا کوئی رکن نہیں ہے یا ایسا واقعہ اس کے نوٹس میں نہیں آتا تو ایسی صورت میں اگر حزب اقتدار کا کوئی فرد اس کو بطور تحریک التوائے کار پیش نہیں کرتا تو کیا یہ بات وہاں کے عوام کے مفاد کے خلاف نہ ہو گی۔

جواب

چوہدری محمد انور بھنڈر۔۔۔۔ جناب سپیکر! فاضل رکن نے یہ نکتہ اٹھایا ہے کہ تحریک التوا کے متعلق جو میں نے عرض کیا ہے کہ یہ عام طور پر حزب اختلاف کی طرف

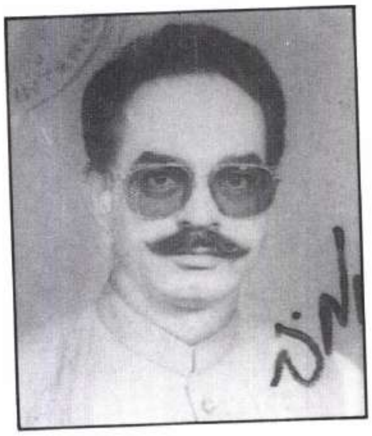

سردار حسن اختر ایم پی اے

سے آتی ہے اور اب یہ رواج بن گیا ہے کہ یہ حکومتی بنچوں کی جانب سے بھی آنے لگی ہے تو جہاں تک اس ملک اور بیرون ملک کی رّوایت کا تعلق ہے وہ تو یہی رہی ہے کہ یہ حکومت کے خلاف ہوتی ہے۔ لیکن جہاں تک آپ کا ارشاد ہے کہ اگر یہ حزب اختلاف کی طرف سے پیش نہیں کیا جاتا اور حزب اقتدار کے کسی فاضل ممبر کے نوٹس میں آتا ہے تو وہ اسے گورنمنٹ کے نوٹس میں کیسے لائے، میں نے عرض کیا تھا کہ آپ شارٹ نوٹس سوال دے سکتے ہیں اور شارٹ نوٹس سوال عام طور پر وزراء صاحبان قبول نہیں کرتے۔ میں نے اس پر یہ عرض کیا تھا کہ ایسے معاملے میں شارٹ نوٹس سوالات قبول کئے جانے چاہئیں اور انہیں اگلے روز کے لئے رکھا جائے۔ اگر حکومتی پارٹی کے کسی ممبر کی طرف سے کوئی شارٹ نوٹس سوال آتا ہے تو اس میں کوئی حرج

چودھری محمد انور بھنڈر سابق سپیکر مغربی پاکستان اسمبلی اور حاجی محمد سیف اللہ خان **ممبر قومی اسمبلی** سامعین کے سوالات کا جواب دے رہے ہیں۔

نہیں کیونکہ آپ Debates نکال کر دیکھیں۔ حکومت کے بعض وزراء صاحبان نے بعض اوقات بڑی سے بڑی Debate کو بھی خوش آمدید کہا ہے کہ ہم اس تحریک التوا پر Debate کرنے کے لئے تیار ہیں۔ پرسوں کا دن رکھ لیں۔ ترسوں کا دن رکھ لیں اور اس پر Full Fledged بحث ہوئی ہے۔ اس کو Oppose نہیں کیا گیا۔ اسی طرح میں سمجھتا ہوں کہ اگر شارٹ نوٹس سوال کے ذریعے سوال پوچھا جائے گا تو اس پر ضمنی سوال بھی ہوں گے اور بحث بھی ہو سکے گی لیکن یہ بات درست نہیں کہ آپ تحریک التوا پیش کرتے ہیں اور اس میں آپ یہ بات لکھتے ہیں کہ حکومت اس معاملہ میں ناکام رہی ہے حالانکہ آپ حکومتی پارٹی کے رکن ہیں اس لئے پارلیمانی روایات کے مطابق یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اگر آپ اس کا بدل چاہتے ہیں تو شارٹ نوٹس سوال کے ذریعے حاصل ہو سکتا ہے۔ یا اگر آپ نئے قواعد و ضوابط بنائیں تو ان میں Call Attention Motion کی Provision لے آئیں۔

سوال نمبر ۲۰

عوامی مشکلات کا ازالہ

جناب ارباب غلام رحیم (چیئرمین ضلع کونسل تھرپارکر)

محترم وٹو صاحب! آپ کا بہت شکریہ کہ آپ نے ہمیں یہاں یہ موقع فراہم کیا۔ اگر عوام محسوس کریں کہ کسی قانون سے عوام کو مشکلات پیش آ رہی ہیں تو ان کو آسان بنانے کے لئے وہ کس سے رجوع کریں۔ اور اس کا کیا طریق کار ہونا چاہئے۔ میرا دوسرا نکتہ یہ ہے کہ حزب اختلاف کی بعض ایسی چیزیں ہوتی ہیں جو عوام کے حق میں ہوتی ہیں لیکن یہ پارٹی کی کشمکش کی نذر ہو جاتی ہیں۔ ان کو اس سے کیسے بچایا جائے؟

جواب

حاجی محمد سیف اللہ خان ...... جہاں تک ان کے پہلے سوال کا تعلق ہے اس کے بارے میں عرض ہے کہ یہ اسمبلیاں اور ان کے اراکین عوام کے لئے منتخب ہوا کرتے ہیں اور عوام جب بھی کوئی تکلیف محسوس کرتے ہیں کسی قانون میں تبدیلی چاہتے ہیں یا کسی انتظامی معاملے میں کسی قسم کی Remedy چاہتے ہیں تو وہ اپنے نمائندوں سے رجوع کر سکتے ہیں اور نمائندوں کو یہ حق ہے کہ وہ اپنے طور پر بل یا Motion پیش کر کے اسمبلی میں ان چیزوں کو زیر بحث لا سکتے ہیں۔ رہ گئی دوسری بات تو جمہوریت میں ہمیشہ اختلاف رائے ہوا کرتا ہے۔ اس میں اختلاف بھی ہوتا ہے اور یوں اتفاق بھی اور ان چیزوں کا ہونا لازمی بات ہے تب جا کر جمہوری قدریں پروان چڑھتی ہیں۔

سوال نمبر ۲۱

تحریک التوا کے علاوہ فوری مسئلہ پر بحث کا طریقہ

میاں محمد زمان ...... یہاں فرمایا گیا تھا کہ تحریک التوائے کار دراصل تحریک ملامت ہوتی ہے اور حکومتی پارٹی کی طرف سے اسے نہیں آنا چاہئے لیکن ہمارے قواعد کی یہ مجبوری ہے کہ ہمارے پاس اور کوئی طریقہ نہیں جس کے ذریعے کسی زبردست قومی اہمیت کے حامل مسئلہ کو فوری طور پر اسمبلی کے اندر زیر بحث لایا جائے۔

سوال نمبر ۲۲

پوائنٹ آف آرڈر کا طریقہ کار

میرا دوسرا سوال پوائنٹ آف آرڈر کے متعلق ہے۔ اگر کوئی ممبر پوائنٹ آف آرڈر کے ذریعے بات کرنا چاہتا ہے تو جناب سپیکر بسا اوقات اس کی بات سنے بغیر اسے کھڑا ہونے کی اجازت نہیں دیتے۔ کیا قواعد کی رو سے یہ درست ہے؟۔

جناب سپیکر ...... پہلے سوال کا جواب جناب حاجی سیف اللہ دیں گے اور دوسرے سوال کا جواب چودھری انور بھنڈر دیں گے۔

حاجی محمد سیف اللہ خان ...... مجھے جناب میاں محمد زمان سے بالکل اتفاق ہے اور میں نے پہلے بھی یہی عرض کیا تھا کہ ہمارے قواعد انضباط کار میں اس قسم کی کوئی Provision نہیں رکھی گئی کہ کوئی فوری نوعیت کا مسئلہ جو عوام سے متعلق ہو اور اس سے حکومت کا بھی براہ راست کوئی تعلق نہ ہو تو اسے کس طرح حکومت کے نوٹس میں لایا جائے۔ ظاہر بات ہے اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ترقی پذیر ملکوں نے تحریک التوا کے تقدس کو پامال نہیں کیا۔ اس کے قواعد وہی رہنے دیئے ہیں جو تحریک التوا کے ہیں۔ اس کی شرائط و قیود اور پابندیاں بدستور وہی ہیں مگر اس قسم کے معاملات کو آسان کرنے کیلئے وہاں کی اسمبلیاں قواعد میں Call Attention Motion نام کی چیزیں یا دوسرا طریقہ وضع کر سکتی ہیں۔ اور اس کے ذریعے سے حکومتی پارٹی یا حزب اختلاف کے ارکان بلا امتیاز ایسے معاملات اسمبلیوں میں زیر بحث لا سکتے ہیں۔ مگر جہاں تک تحریک التوائے کار کا تعلق ہے اس پر لازمی طور پر وہی قواعد لاگو ہوں گے اور پارلیمانی روایات کا اطلاق بھی اسی طرح ہو گا جس طرح تمام دنیا میں ہوتا ہے کہ یہ Censure Motion ہے اور اسے حکومت کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔ اور ہمارے ہاں چونکہ روایت موجود ہے اور قواعد نہیں بنے تو اکثر اوقات اس کی اجازت دی گئی ہے کہ پارٹی ڈسپلن کے تحت حکومتی پارٹی کے اراکین اور دوسرے اراکین Call Attention Motion کو بھی تحریک التوا کا نام دے کر ایوان میں پیش کریں۔ بہرحال یہ قواعد کا ایک Flaw ہے اور قواعد کی تصحیح ہونی چاہئے۔ جب

تک قواعد میں تصحیح نہیں ہوتی یہ روایت چلتی رہے گی مگر یہ اصول اپنی جگہ ہے کہ تحریک التواقرار داد مذمت تصور ہوتی ہے اور وہ حکومت کے خلاف ہوتی ہے اس لئے حکومتی پارٹی کا کوئی رکن اسے پیش نہیں کر سکتا۔

چوہدری محمد انور بھنڈر جناب سپیکر! جہاں تک پوائنٹ آف آرڈر کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں کہ جب On the floor of the House پوائنٹ آف آرڈر کی صدا آتی ہے۔ جب بھی کوئی ممبر اپنی سیٹ پر کھڑا ہو کر کہتا ہے کہ پوائنٹ آف آرڈر تو سپیکر صاحب کو فوراً اس طرف متوجہ ہونا پڑتا ہے اور قواعد یہ کہتے ہیں کہ جو آدمی بول رہا ہو یا اس وقت تقریر کر رہا ہوں وہ اپنی نشست پر فوراً بیٹھ جائے تاکہ سپیکر صاحب کو یہ موقع ملے کہ پہلے وہ پوائنٹ آف آرڈر کا فیصلہ کریں اور سپیکر صاحب کے لئے یہ لازم ہے کہ اسے نہ صرف سنا جائے، تفصیل سے سنا جائے بلکہ اس کا فیصلہ بھی کیا جائے۔ یہ بات درست نہیں ہے کہ آپ پوائنٹ آف آرڈر پر کھڑے ہوں یا پوائنٹ آف آرڈر اٹھائیں تو پھر اس کو سنا نہ جائے۔میں سمجھتا ہوں کہ شاید پوائنٹ آف آرڈر کی رسم زیادہ چل نکلی ہے ویسے پوائنٹ آف آرڈر سننا پڑتا ہے۔

سوال نمبر ۲۳، ۲۴

کارروائی کے حذف شدہ حصہ کی اشاعت

جناب اکرم نعیم (جرنلسٹ) جناب والا! میرے دو سوال ہیں۔ حاجی صاحب سے میرا پہلا سوال تو یہ ہے کہ جب اسمبلی میں سپیکر کی مرضی سے ان کے حکم سے کارروائی حذف کی جاتی ہے تو کیا یہ اسمبلی کے Record سے ہی حذف ہوتی ہے؟ کیا اخبار والے اسے چھاپ سکتے ہیں؟ اگر وہ اخبار والوں کے لئے ممنوع ہے کہ وہ اسے نہ چھاپیں اور وہ اس کے برعکس اسے چھاپتے ہیں تو ان کے لئے اسمبلی کیا کر سکتی ہے؟

سپیکر کے استحقاق کا مسئلہ

میرا دوسرا سوال یہ ہے کہ جس طرح ایک عام رکن اسمبلی کے لئے یہ بات ہے کہ جب اس کا کوئی Breach of privilege ہو تو وہ اپنی تحریک پیش کر سکتا ہے یا تحریک التوائے کار پیش کر سکتا ہے۔ اگر سپیکر صاحب کا کوئی Breach of Privilege ہو یا وہ کوئی تحریک التوائے کار پیش کرنا چاہیں تو وہ کیسے کرتے ہیں اور اس کے لئے کیا طریق کار ہے؟ شکریہ۔

جواب

حاجی محمد سیف اللہ خان ...... جہاں تک Remarks یا کارروائی کے کسی حصے کو حذف کرنے کا تعلق ہے جناب سپیکر کو اس کا کلی اختیار ہے اور جس حصے کو یا جن Remarks کو وہ حذف کر دیں وہ پوری کارروائی سے حذف ہو جاتا ہے۔ اس کو نہ Reproduce کیا جا سکتا ہے نہ اخبارات میں شائع کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اسے کارروائی کا حصہ تصور کیا جا سکتا ہے۔ وہ بالکل ختم ہو جاتا ہے۔ وہ کارروائی میں نہیں رہتا۔ اب رہ گیا دوسرے حصے کا تعلق تو سپیکر کبھی بھی بے بس نہیں ہوا کرتا، سپیکر کے پاس بہت زیادہ اختیارات ہیں۔ اس کے متعلق میں نے تھوڑا سا عرض بھی کر دیا تھا۔ سپیکر کے نہ تو پرولجز Breach ہوتے ہیں اور نہ اس کے اختیارات پر کوئی قدغن لگائی جا سکتی ہے اور نہ کبھی ایسی صورتحال پیدا ہوئی ہے کہ کسی سپیکر کو یہ ضرورت محسوس ہوئی ہو کہ وہ تحریک استحقاق پیش کرے یا وہ اپنے حقوق کے لئے ایوان میں کوئی کارروائی کرے۔ سپیکر کا عہدہ نہایت تقدس کا حامل ہوتا ہے۔ اس کی ایک اہمیت ہوتی ہے اور اس کو مکمل اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔

جناب اکرم نعیم جناب سپیکر! اگرچہ ریمارکس کو کارروائی سے حذف کر دیا جاتا ہے مگر اخبارات والے اسے پھر بھی چھاپ دیتے ہیں؟

حاجی محمد سیف اللہ خان ...... یہ Breach of Privilege ہے۔ اس کے لئے باقاعدہ کارروائی کی جا سکتی ہے۔ اس پر آپ کا جو بھی قانون ہے اس کے مطابق آپ سزا دے سکتے ہیں کیونکہ جو کارروائی کا حصہ ہی نہ ہو وہ کارروائی کے طور پر کہیں بھی شائع نہیں ہو سکتا۔

جناب اکرم نعیم لیکن حاجی صاحب آج تک پریکٹس یہی رہی ہے کہ ہم حذف شدہ عبارت رپورٹ کر دیتے ہیں۔

حاجی محمد سیف اللہ خان ...... بہت سے جرائم سرزد ہو جاتے ہیں مگر نوٹس نہیں لیا جاتا۔

جناب اکرم نعیم حاجی صاحب! ایسا ہوا تھا کہ ہم نے اس کے بارے میں سپیکر صاحب سے استفسار کیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ ویسے آپ کی مرضی ہے۔ بہتر ہے کہ اسے شائع نہ کریں۔

حاجی محمد سیف اللہ خان ...... حذف شدہ حصہ کو شائع کرنے کے بارے میں اختیار نہیں ہے۔ چونکہ حذف کیا ہوا مواد کارروائی کا حصہ نہیں رہتا۔ اس لئے اس کو شائع نہیں کیا جا سکتا۔

سوال نمبر ۲۵

حالیہ واقع کی اصطلاح کی تشریح

ایک جرنلسٹ ...... جناب سپیکر! میں یہ پوچھنا چاہوں گا کہ تحاریک التوائے کار میں Matter of Recent Occurrence کی ایک قدغن ہے۔ فرض کریں کہ ایک اسمبلی کا اجلاس یکم مئی کو ختم ہوتا ہے دو مئی کو ایک اہم واقعہ وقوع پذیر ہو جاتا ہے اور اگلا اجلاس سات دن کے بعد یا ستر دن کے بعد ہوتا ہے، ایک ممبر تحریک التوائے کار کا نوٹس دیتا ہے، اس کی تحریک التوائے کار کو اس لئے Entertain نہیں کیا جاتا کہ یہ Matter of Recent Occurrence

نہیں ہے۔

Matter of Recent Occurrence کو اتنا زیادہ محدود کر دینے سے پارلیمانی Democracy کو نقصان پہنچتا ہے کیونکہ اگر اسمبلی سیشن میں ہے تو یہ لوگ بات کہہ سکتے ہیں جب اسمبلی سیشن میں نہ ہو اور واقعہ بہت اہم ہو اور محض اسے اس خاطر Entertain نہ کیا جائے یہ Matter of Recent Occurrence نہیں۔ تو میں یہ جاننا چاہوں گا کہ کیا رولز آف پروسیجر میں کوئی تبدیلی کی جانی چاہئے یا نہیں۔

اجلاس کا وقت ختم ہونے کے بعد انجام پانے والی کارروائی کی حیثیت

دوسری بات میں یہ جاننا چاہوں گا کہ اسمبلی کا اجلاس ختم کرنے کا حکم نامہ سپیکر صاحب کی میز پر موجود ہے اور اسمبلی کا اجلاس جاری ہے۔ بارہ بجکر ایک منٹ ہو جاتا ہے اور سپیکر صاحب اسمبلی کارروائی کو Extend نہیں کرتے۔ اس کے بعد جو کارروائی ہو رہی ہے اس کی قانونی حیثیت کیا ہے۔ پھر یہ ہے کہ روزانہ ایک شیڈول جاری کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد کارروائی جاری رہتی ہے۔ سپیکر اگر اسے Extend نہ کرے اور اس دوران قانون سازی ہو جائے تو اس قانون سازی کی آئینی طور پر کیا اہمیت اور حیثیت ہے؟۔

جواب

حاجی محمد سیف اللہ خان ...... پارلیمانی روایات کے تابع جہاں تک Recent Occurrence کا تعلق ہے یہ لازم ہے کہ اگر ایک اجلاس ختم ہو گیا ہے تو دوسرے اجلاس کے شروع ہونے سے پہلے جتنے بھی واقعات رونما ہوتے ہیں جس دن دوسرا اجلاس شروع ہوتا ہے اس اجلاس سے ایک گھنٹہ پہلے اگر ان تمام معاملات کے متعلق تحاریک التوائے کار اسمبلی سیکرٹریٹ میں جمع کرا دی جاتی ہیں تو پارلیمانی روایات کے تابع وہ Recent Occurrence ہی تصور ہوتی ہیں اور اگر وہ پہلے دن ایک گھنٹہ پہلے جمع نہیں کروائی جاتیں اور ان میں سے کسی معاملے کا نوٹس دوسرے دن دیا جاتا ہے تو پھر وہ Recent Occurrence میں نہیں آ سکے گا بلکہ Lapse ہو جائے گا۔ یہ تحاریک التوائے کار کی Recent Occurrence کا مسئلہ ہے جسے تمام دنیا میں پارلیمانی روایات کے تابع نمٹایا جاتا ہے اور عموماً سپیکر حضرات ان تمام واقعات کی اجازت دے دیتے ہیں جو دو اجلاسوں کے مابین ہوں بشرطیکہ پہلے ہی دن اجلاس سے ایک گھنٹہ پہلے ان کی بابت تحاریک التوائے کار جمع کرا دی جائیں۔

جناب سپیکر ...... دوسرے سوال کا جواب جناب چودھری محمد انور بھنڈر دیں گے اور اس کے بعد وقفہ سوالات ختم ہو جائے گا۔

چودھری محمد انور بھنڈر ...... جناب سپیکر! جہاں تک آرڈر آف Prorogation کا تعلق ہے میں یہ سمجھتا ہوں کہ آرڈر آف Prorogation میں یہ بات بذات خود موجود ہوتی ہے کہ جس روز اسمبلی کا اجلاس ختم کرنا مقصود ہو اس روز کی کارروائی کے بعد اس کا اجلاس غیر معینہ عرصہ کے لئے ملتوی ہو جائے گا۔ گورنر صاحب کے حکم میں یہ بات ہوتی ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ آرڈر آف Prorogation جب بھی آتا ہے خواہ وہ سپیکر صاحب کی میز پر پڑا ہو۔ اسے اس وقت پڑھا جاتا ہے جب اسمبلی کی کارروائی کا وقت ختم ہو گیا ہے اور سپیکر صاحب اس کو Extend کرتے ہیں اس لئے کہ جو کام شروع ہے وہ ختم ہو جائے تو انہیں Extend کرنے کا بھی اختیار ہے اور جونہی وہ وقت ختم ہو گا اس روز کے اوقات کار ختم ہوں گے آرڈر آف Prorogation پڑھا جائے گا اور اس وقت آرڈر آف Prorogation لاگو ہو گا۔ اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ جس روز آرڈر آف Prorogation آئے اس روز اگر کوئی قانون سازی کی گئی ہو تو وہ خلاف قانون یا خلاف ضابطہ ہو جاتی ہے۔ بلکہ اس روز کی تمام کارروائی جائز ہوتی ہے۔ درست ہوتی ہے۔ کارروائی ختم ہو جاتی ہے تو آخر میں آرڈر آف Prorogation پڑھا جاتا ہے۔

اختتامی خطاب

جناب محمد نواز شریف
وزیر اعلیٰ پنجاب

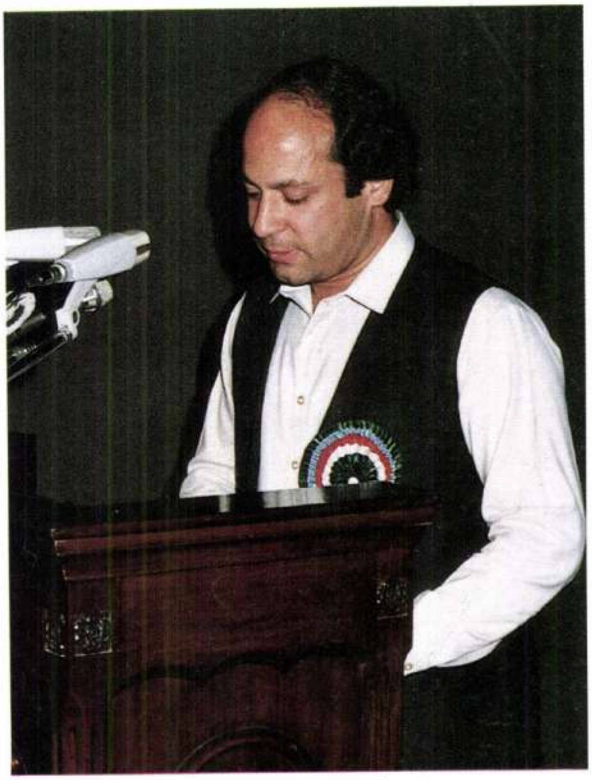
جناب محمد نواز شریف وزیر اعلیٰ پنجاب خطاب فرما رہے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم جناب میاں منظور احمد وٹو سپیکر صوبائی اسمبلی پنجاب
محترم جناب راجہ امان اللہ خان سپیکر صوبائی اسمبلی صوبہ سرحد
محترم جناب میاں محمد افضل حیات قائد حزب اختلاف صوبائی اسمبلی پنجاب
محترم جناب راجہ خلیق اللہ خان وزیر قانون پنجاب
جناب میاں مناظر علی رانجھا ڈپٹی سپیکر صوبائی اسمبلی پنجاب
محترم چوہدری محمد انور بھنڈر سابق سپیکر مغربی پاکستان اسمبلی
محترم جناب حاجی محمد سیف اللہ خان ممبر قومی اسمبلی

ہمارے دوسرے صوبوں سے تشریف لانے والے معزز اراکین صوبائی اسمبلی، معزز ممبران قومی و صوبائی اسمبلی پنجاب

السلام علیکم!

مجھے اس بات کا شدت سے احساس ہے کہ آپ سب لوگ کھانا کھانے کے لئے بے تاب ہوں گے۔ اس لئے آج میں بھی ایسی کوئی لمبی چوڑی تقریر نہیں کرنا چاہتا لیکن کچھ باتیں ایسی ہیں جو نہ کہوں تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ بھی ایک طرح کی ناانصافی ہوگی۔

میں نے اب تک بے شمار تقاریب میں شرکت کی ہے اور وہ سب ہی اپنی اپنی اہمیت رکھتی تھیں لیکن میرے خیال میں یہ سیمینار ان سب تقاریب میں اپنی اہمیت کے اعتبار سے ایک منفرد اور ممتاز مقام رکھتا ہے۔ بلکہ میں سمجھتا ہوں یہ کہنا بالکل درست ہو گا کہ قومی سیاست کی پارلیمانی روایات میں اس سیمینار کو ہمیشہ ایک اہم سنگ میل کی حیثیت حاصل رہے گی۔

جناب سپیکر!

اس سیمینار کے انعقاد میں آپ کو اور آپ کے سیکرٹریٹ کے تمام عملے کو میں خراج تحسین پیش کرتا ہوں۔ یہاں مدعو کئے جانے کو اپنی عزت افزائی خیال کرتے ہوئے اور اس کے لئے دل کی گہرائیوں سے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

میں جناب انور بھنڈر اور جناب حاجی سیف اللہ کو بھی ان کے بصیرت افروز مقالات پر مبارکباد پیش کرتا ہوں اور ان تمام دوستوں کا بھی سپاس گزار

ہوں جن کی دلچسپی کی بدولت ہمیں مقالہ نگار حضرات کی باتوں کو بہتر طور پر سمجھنے اور ذہن نشین کرنے میں مدد ملی۔

معاشرہ کیلئے قانون سازی کی اہمیت

اس سیمینار کا یہ دوسرا اجلاس ہے۔ کل کی طرح آج بھی بھرپور اجلاس ہوا ہے اور قانون سازی کے ضمن میں تفصیلی گفتگو ہوئی ہے۔ لہٰذا میں اس امر کا خیال رکھوں گا کہ میں تکرار کا مرتکب ہو کر کسی کا استحقاق مجروح کرنے کا قصوروار نہ ٹھہرایا جاؤں۔میرے نزدیک قانون سازی اور ممبران اسمبلی میں وہی تعلق ہے جو پھول اور خوشبو میں ہے۔ جو مچھلی اور پانی میں ہے۔ یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں گویا ایک دوسرے کی پہچان ہیں۔ اہمیت اور افادیت کے لحاظ سے قانون سازی کا عمل کسی بھی معاشرے کو صحت مند رکھنے کے لئے آکسیجن کا درجہ رکھتا ہے۔ جس معاشرے میں قانون سازی کا عمل ختم ہو جائے وہ سرطان میں مبتلا ہو کر ہمیشہ کے لئے تاریخ کے اوراق میں گم ہو کر رہ جاتا ہے۔

عوامی نمائندگان کا تاریخی کردار

معزز ممبران و خواتین و حضرات

تاریخ کے ذکر سے میرا ذہن تاریخ کے ایوان کی طرف چلا گیا تاریخ کا ایوان ہمیشہ سیشن میں رہتا ہے یہ کبھی adjourn نہیں ہوتا۔ یہ perpetual parliament ہے۔ اس ایوان کو ہمارے ایوانوں کی طرح کورم کا مسئلہ بھی درپیش نہیں ہوتا۔ یہ ایوان کسی مفاد' دھاندلی یا لالچ سے متاثر نہیں ہوتا۔ یہ ایک آئینے کی مانند ہوتا ہے۔ جس میں ہر شخص کا کردار اپنی تمام تر خوبیوں اور خرابیوں کے ساتھ نظر آتا ہے۔ اور اس ایوان کا فیصلہ حرف آخر کا درجہ رکھتا ہے۔ اس سے آپ اندازہ کر لیجئے کہ ہمارے منصب کے ساتھ کتنی ذمہ داری وابستہ ہے اور اس کے کیا تقاضے ہیں۔ ہمارا منصب ہم سے پوری جانفشانی 'لگن' جگر سوزی' متانت' سنجیدگی اور ایک مشنری جذبے کا مطالبہ کرتا ہے۔ آپ عوام کی امیدوں کا مرکز ہیں۔ آپ کے قلم کی ہر جنبش اور آپ کی تقریر کا ایک ایک لفظ ریکارڈ پر آرہا ہے۔ ایوان تاریخ کے سیکرٹریٹ کا سٹاف ہی کسی طرح "کراماً کاتبین" سے کم نہیں اور جو بات اس ریکارڈ پر آگئی وہ expunge بھی نہیں ہوتی۔ میری ان گذارشات کا مقصد یہ ہے کہ ہم سب توقعات اور ذمہ داریوں کے دھارے کی زد میں ہیں اور ایسے موقع پر تیراکی نہ جاننا یا تیراکی جانتے ہوئے اس کے تمام اصولوں کو بروئے کار نہ لانے کا نتیجہ سب کو معلوم ہے۔ ایسے تیراک کو تو عذر پیش کرنے کا موقع بھی نہیں ملتا۔

یہاں مجھے ایک چھوٹی سی کہانی یاد آگئی۔ کہتے ہیں کہ دیوتاؤں کے بادشاہ Jupiter نے ایک مرتبہ سب مخلوق کی دعوت کی۔ سب وقت پر پہنچ گئے لیکن ایک کچھوا بڑی تاخیر سے پہنچا۔ تاخیر کی وجہ پوچھی گئی تو کچھوے نے Jupiter سے کہا میں تو اپنے گھر میں آرام سے پڑا تھا آپ کا حکم تھا اس لئے

سامعین کا ایک منظر

آ گیا ہوں۔ Jupiter کو بہت غصہ آیا کہ اس کچھوے نے میری شاندار دعوت اور میرے عالیشان محل پر اپنے گھر کو ترجیح دی۔ چنانچہ اس نے کہا اچھا اگر یہ بات ہے تو آئندہ تم جہاں جاؤ گے اپنا گھر اپنے ساتھ اٹھائے پھرو گے۔ لہٰذا اب کچھوا اپنا گھر اپنے اوپر اٹھائے پھرتا ہے۔

میرے ساتھیو!

عوام نے ہمیں صوبائی اسمبلی کے house میں بھیج کر جو اعزاز دیا ہے اگر ہم میں سے کسی نے خواہ وہ آپ ہوں یا میں، سستی یا عدم دلچسپی کا اظہار کیا تو پھر ہمیں بھی یہ ہاؤس تمام عمر اپنے اوپر لاد کر ہی پھرنا پڑے گا۔ لیکن اس میدان میں صرف سزا ہی نہیں ہے جزا بھی ہے۔ آپ عوام کی امنگوں کے مطابق ان کی فلاح و بہبود کے لئے قانون سازی کر کے ان کے دل بھی جیت سکتے ہیں۔ اس کی روشن ترین مثال قائداعظم محمد علی جناحؒ ہیں۔ میرے خیال میں اگر تمام دنیا کے بہترین پارلیمنٹیرینز (Parliamentarians) کی فہرست مرتب کی جائے تو اس گروپ کے Hero کے طور پر قائداعظمؒ ہی کا نام سامنے آئے گا۔ انہوں نے بغیر کسی لشکر، بغیر کسی طرح کے اوچھے ہتھکنڈوں کے، محض اپنی صداقت اور قابل رشک اہلیت کی بنیاد پر انگریز کی تمام تر چالاکی اور ہندو کی تمام تر عیاری کے باوجود پارلیمینٹ میں پارلیمنٹرین کی حیثیت سے جس مہارت اور شجاعت کے ساتھ جنگ لڑی اس کی فتح کا نام پاکستان ہے۔

معاشرتی ارتقا اور قانون سازی

معزز خواتین و حضرات!

انسان نے غار سے فضا اور فضا سے خلا تک کا جو سفر کیا ہے وہ دراصل انسانی تہذیب، تمدن، اس کی اقدار اور اس کے قوانین کا سفر ہے۔ قدیم انسان کی کل کائنات غار، پتھر کے اوزار، شکار اور اس کا سردار ہی تھے۔ اس کے قوانین بھی گنے چنے تھے۔ لیکن جیسے جیسے شکار سے کھیتی باڑی، تجارت اور پھر صنعت کی منزلیں طے ہوتی گئیں اور اقتصادی ترقی حاصل ہوتی چلی گئی اس طرح معاشرے میں پیچیدہ مسائل بھی پیدا ہوتے چلے گئے۔ شروع میں قبیلے کے سردار اور پھر بادشاہوں کے دور میں بادشاہ وقت کا فرمان بھی قانون تھا۔ لیکن اس سے ظلم و ستم پیدا ہوا۔ اور شخصی آزادی جو کسی بھی مہذب معاشرے کی بنیادی شرط ہے بری طرح متاثر ہوئی۔ چنانچہ بادشاہوں کے خلاف بغاوت ہوئی شخصی آزادی کا زور بڑھا، ظلم و ستم کے خلاف آوازیں اٹھائی گئیں۔ اس کے نتیجے میں Magna Carta اور Industrial اور Labour Laws وجود میں آئے۔ بالآخر انقلاب فرانس اور انقلاب روس نے بادشاہوں کو ختم کر دیا۔ جمہوریت کا سفر شروع ہو چکا تھا۔ موجودہ دور میں قانون بنانے والوں کے لئے سب سے بڑا Challenge یہی ہے کہ وہ معاشرے کی اجتماعی اور انفرادی سوچ میں کس طرح ایک توازن قائم رکھ سکتے ہیں۔ شخصی آزادی اور اجتماعی آزادی کو کس طرح اپنی اپنی جگہ رکھا جا سکتا ہے۔ اس

جناب محمد نواز شریف وزیر اعلیٰ پنجاب خطاب فرما رہے ہیں۔

معاملے کو بھی قائداعظمؒ نے بڑے واضح انداز میں سلجھا دیا ہے۔ آپ نے فرمایا
"Liberty is not the right to do what you like but the right to do what you ought."
یعنی آزادی یہ نہیں ہے کہ آپ جو جی میں آئے کریں بلکہ آزادی یہ ہے کہ جو آپ کو کرنا چاہئے وہ کر گزرنے کا حق آپ کو حاصل ہو۔ چنانچہ پھر یہ پہلو سامنے آیا کہ حق کے تعین کے لئے کون سی بنیاد ہونی چاہئے۔ وہ کون سی Basis ہونی چاہئے جس کے تحت قانون سازی عمل میں لائی جائے اور وہ بنیاد ایسی ہونی چاہئے جس پر کسی کو اختلاف کی گنجائش بھی نہ ہو۔ لہٰذا انسانی ضمیر، رسم و رواج، اخلاقی اقدار، قوم کی تاریخ، قوم کا نصب العین اور قوم کا مذہب وہ بنیادیں قرار پائیں جن کی روشنی میں قانون بنائے جائیں۔

قانون سازی کی اساس

خواتین و حضرات!

بحیثیت پاکستانی ہمارے لئے قانون سازی میں کوئی پیچیدگی نہیں ہے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہمارے لئے ہمیشہ فیض رساں کبھی نہ خشک ہونے والا چشمہ قرآن، حدیث اور رحمتہ اللعالمین کا اسوہ حسنہ موجود ہے۔ ایک مہذب معاشرے میں شخصی آزادی کا سب سے زیادہ دلکش اور جامع Declaration خطبہ حجتہ الوداع ہمارے سامنے ہے۔ ہمیں علامہ اقبال کا عشق رسولؐ سے مہکتا ہوا فلسفہ میسر ہے۔ قائداعظمؒ کی عبادت کے درجے کو پہنچی ہوئی صاف و شفاف سیاست ہماری راہنمائی کرتی ہے۔ ہمیں ان کے علاوہ اور کوئی راہنمائی درکار نہیں۔

ان بنیادوں پر قانون سازی ہمیں اقوام عالم میں ایک قابل رشک مقام دلانے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے۔ اگر ہم روشنی کا یہ سفر اختیار کرنے سے ڈر جائیں تو پھر اندھیروں کے علاوہ ہمارا اور کون ساتھی ہو سکتا ہے۔ میں آپ کو دعوت عمل دیتا ہوں۔ آیئے قانون سازی کریں۔ لیکن ایسے انداز میں کہ ہم جو بل پیش کریں، جو تحریک التوا، جو تحریک استحقاق پیش کریں، جو نکتہ اٹھائیں، جو تنقید کریں وہ ایسی ہو یعنی بقول شخصے ؎

ہماری باتوں میں روشنی تو ہو، آگ نہ ہو
ہماری باتوں میں ہم آہنگی تو ہو، ہنگامہ نہ ہو۔

آیئے الفاظ کا احترام کریں۔ اس طرح کہ ہمیں لفاظی سے کوئی مطلب نہ ہو، آیئے ہاتھ سے مطلب رکھیں دستانے سے نہیں۔

میں آخر میں دوسرے صوبوں سے تشریف لانے والے ممبران کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہوں اور آپ سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جو یہاں پر آج تشریف فرما ہیں۔ جناب سپیکر کا ایک دفعہ پھر شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے اس سیمینار کا اہتمام کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس سے ہم سب کو بہت فائدہ پہنچے گا اور ہم سب اس سے استفادہ کر سکیں گے۔ میں اپنے بھائی جو کہ یہاں پر تشریف فرما ہیں، سپیکر سرحد اسمبلی اور دوسرے صوبوں کی صوبائی اسمبلیوں کے اراکین سب کا تہہ دل سے ممنون ہوں کہ انہوں نے آج اس سیمینار میں شرکت کی اور انشاءاللہ وہ بھی اس سے پورا استفادہ کریں گے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے سندھ کو آباد رکھے۔ ہمارے پنجاب کو آباد رکھے۔ ہمارے سرحد کو آباد رکھے۔ ہمارے بلوچستان کو آباد رکھے۔ ہمارے آزاد کشمیر کو آباد رکھے۔ آمین

یہ سب مل کر پاکستان بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے پاکستان کو آباد رکھے۔
بہت بہت شکریہ۔ پاکستان پائندہ باد۔

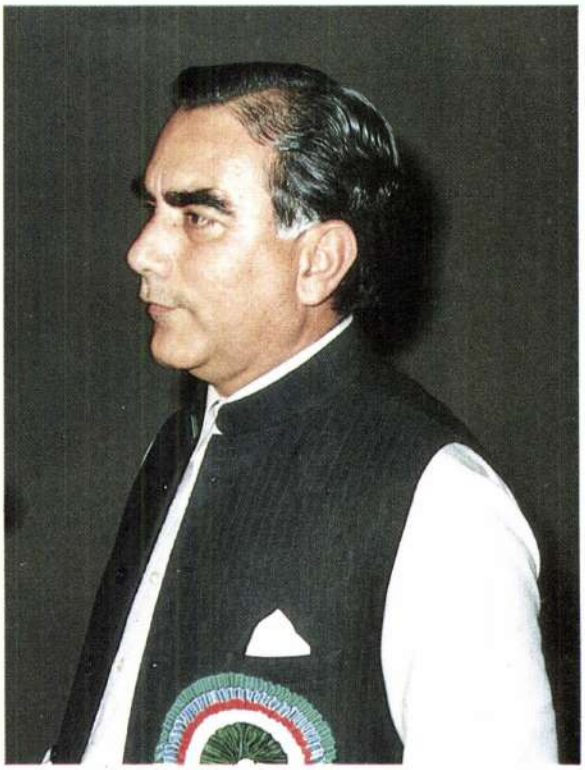

میاں منظور احمد وٹو سپیکر صوبائی اسمبلی پنجاب سیمینار کے اختتام پر اظہار تشکر فرما رہے ہیں

اظہار تشکر

میاں منظور احمد وٹو سپیکر پنجاب اسمبلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب میاں محمد نواز شریف ' وزیر اعلیٰ پنجاب۔ جناب راجہ امان اللہ خان ' سپیکر سرحد اسمبلی۔ جناب میاں افضل حیات صاحب ' لیڈر آف اپوزیشن۔ جناب راجہ خلیق اللہ خان ' وزیر قانون و پارلیمانی امور۔ جناب ڈپٹی سپیکر ' پنجاب اسمبلی ' ممبران قومی اسمبلی ' ممبران صوبائی اسمبلی صوبہ سرحد ' ممبران پنجاب اسمبلی ' جرنلسٹ حضرات ' آفیشلز آف دی پنجاب گورنمنٹ اور معزز خواتین و حضرات۔

میں صرف چند منٹ کے لئے آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں اور ساتھ ہی جو چند باتیں مجھے پسند آئی ہیں میں ان کا اعادہ بھی کرنا چاہتا ہوں۔

جناب چیف منسٹر پنجاب نے اس سیمینار کے انعقاد کے لئے جس خلوص اور چاہت سے میرا ساتھ دیا اور دست تعاون بڑھایا اس کے لئے میں ان کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

معزز خواتین و حضرات ! مجھے اس موقع پر جناب میاں افضل حیات اور ان کے رفقائے کار کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرنا ہے کہ انہوں نے اس سیمینار کے انعقاد کے سلسلے میں میری مدد اور میری راہنمائی فرمائی اور عملی اور بھرپور شرکت فرما کر اس سیمینار کو کامیاب کیا۔ اور مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ ایک موقع پر آپ نے مجھ پر بے حد احسان فرمایا کہ مجھ ایسے ناچیز کو سپیکر کی مسند پر بٹھایا اور اس کے بعد آپ نے مجھے ہاؤس میں اس قدر عزت اور احترام سے نوازا کہ آپ کا شکریہ ادا کرنے کے لئے الفاظ میرا ساتھ نہیں دے رہے۔ میں یہ بھی کہوں گا کہ ان مواقع کے علاوہ اس سیمینار کے موقع پر ' اس تربیتی پروگرام کے انعقاد پر جس بھرپور انداز میں میری درخواست کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے آپ نے یہاں تشریف لا کر اس تربیتی سیمینار کو کامیاب کیا ہے آپ یقین جانئے آپ کی اس کرم فرمائی کا شکریہ ادا کرنے کے لئے بھی میرے پاس الفاظ نہیں۔ آپ کی اس سیمینار میں بھرپور شرکت کے پیش نظر اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے باعث اور مختلف دوستوں کی آرا سننے کے بعد ہم اس سیمینار کو بلاخوف تردید ایک بامقصد اور مفید کام کہہ سکتے ہیں اور اس کو ایک کامیاب سیمینار کا نام دے سکتے ہیں۔

اس سیمینار کے ساتھ ساتھ میں سمجھتا ہوں کہ ہم نے کچھ عمل کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایسا عمل کہ جس میں پارلیمانی روایات کا عنصر بھی ہو ' جس میں جمہوری روایات کا حسن اور اس کی خوبصورتی ہو جہاں پنجاب اسمبلی کا یہ کریڈٹ ہے کہ پاکستان کی تاریخ میں سب سے پہلا سیمینار اس نے منعقد کیا۔ وہاں پنجاب کا اور پنجاب اسمبلی کا یہ کریڈٹ بھی ہے کہ اس نے ہم آہنگی کی ایک ایسی خوبصورت فضا پیدا کرنے کی کوشش کی ہے مخالفتوں کی شدت کے باوجود ایک ایسا ماحول فراہم کرنے کے لئے قدم اٹھایا ہے کہ جس کی دوسرے بھی تقلید کر سکیں اور اس امر کا مشاہدہ کر سکیں کہ یہاں قائد ایوان ' ہمارے وزیر اعلیٰ اور قائد حزب اختلاف ایک ہی سٹیج پر رونق افروز ہیں۔

معزز خواتین و حضرات ! ہم یہاں مثالیں دیا کرتے ہیں کہ دوسرے ملکوں میں لوگ قومی مسائل پر کیسے اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ میں آج آپ کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں کہ یہ تربیتی سیمینار ہمارا ایک قومی مسئلہ تھا۔ یہ ہمارا ایک National issue تھا۔ اپنی مخالفتیں ایک طرف رکھ کر اپنے ذاتی نقطہ نگاہ کو چھوڑ کر اور اس قومی مسئلے پر اکٹھے ہو کر ہم نے یہاں یہ ثابت کر دیا ہے کہ ہم لوگوں میں یہ اہلیت موجود ہے کہ ہم قومی مسائل پر اکٹھے ہو سکتے ہیں اور یکجہتی کے ساتھ عمل کر سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ مجھے یہ عرض کرنے کی بھی اجازت دیجئے کہ ہم یہ سنتے آئے ہیں کہ امریکہ میں قومی معاملات میں سابقہ صدور کو بھی بلا لیا جاتا ہے اور ان سے کہا جاتا ہے کہ آیئے جناب یہ آپ کی قوم ہے۔ کچھ مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔ آیئے آپ ہمارے ساتھ بیٹھئے اور اس طرح وقت کے صدر سابقہ صدور کو بلا کر ان کے تجربے اور معلومات سے استفادہ کرتے ہیں اور قومی مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم نے اس سطح پر نہ سہی بہرحال ایک چھوٹا سا آغاز کرنے کی کوشش کی ہے کہ ان معاملات میں جو درپیش ہوں ہم قواعد و انضباط کار سے واقفیت حاصل کریں۔

ہم اسمبلی کے روزمرہ کے معاملات سے واقف ہونے کے لئے تجربہ کار محترم ہستیوں کو مدعو کریں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ہم نے جناب چودھری انور بھنڈر سابق سپیکر مغربی پاکستان اسمبلی کو زحمت دے کر یہ سعی کی ہے کہ ہمارے ہاں جو لوگ اقتدار کے ایوان میں نہیں ہوتے ہماری قوم ان کی عزت بھی کرنا جانتی ہے اور ان کی صلاحیتوں سے بھی استفادہ کر سکتی ہے۔

معزز خواتین و حضرات! کہا جاتا ہے کہ قانون ساز اداروں کے ممبر پبلک پراپرٹی ہوتے ہیں۔ آپ نے عام طور پر یہ بات سنی ہوگی۔ اس سیمینار میں بھی یہ بات کہی گئی ہے لیکن اس خوبصورت انداز میں کی گئی ہے کہ میرا جی اس بات کو دھرانے کو چاہتا ہے۔ اس میں یہ کہا گیا تھا کہ ان ممبران کے قول و فعل میں کوئی تضاد نہیں ہونا چاہئے۔

Legislators are the barometer of the nation

یہ قوم کے مزاج، اس کے موڈ اور اس کے تشخص کی صحیح نشاندہی کرتے ہیں۔ یعنی یہ بتاتے ہیں کہ اس وقت ہماری قوم کی سوچ کیا ہے۔ یہاں یہ بات بھی کہی گئی کہ پارلیمنٹ اور اسمبلیاں سماجی تبدیلیوں پر گہری نظر رکھتی ہیں اور سماجی تبدیلیوں کا بوقت ضرورت اہتمام بھی کرتی ہیں۔ اگر سماجی تبدیلیوں کا اہتمام نہ کیا جائے تو سماجی انقلاب آ سکتا ہے۔ یہ بڑی خوبصورت بات تھی۔ یہاں یہ بات بھی کی گئی کہ ہمارے ایمان کے مطابق اعلیٰ ترین قانون سازی قرآن و سنت میں ہے اور علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ اجماع قانون سازی کا منبع ہے اور علامہ اقبال کے خیال میں موجودہ دور کی مسلمان پارلیمینٹ جو فیصلہ کرتی ہے وہ اجماع کی حیثیت رکھتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ مشاورت پر زور دیتے ہیں۔ یہ قول بھی ہماری پارلیمینٹ، ہماری اسمبلیوں اور ہمارے سیاسی عمل کی تائید کرتا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کا یہ فرمان کہ قطعی فیصلہ طویل صلاح مشورہ کے بعد ہونا چاہئے۔ یہ بھی جمہوری اداروں اور پارلیمینٹ کی بالادستی پر مہر تصدیق ثبت کرتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ میری امت کا اختلاف ایک رحمت ہے۔ یہ کس قدر بصیرت افروز ہے اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ وہ کسی غلط فیصلہ پر متفق نہیں ہو سکتی۔

My Community cannot agree on an error

تمام امت مسلمہ کے لئے کس قدر حوصلہ افزا اور خوبصورت ارشاد ہے گویا آنحضرت نے جمہوریت کی بالادستی اور لوگوں کی آراء کا بے حد احترام فرمایا اور اس پر حضورؐ کس قدر زور دیتے تھے خاص طور سے اختلاف رائے کے بارے میں اس سے خوبصورت بات ہو ہی نہیں سکتی کہ اختلاف رائے میری امت کے لئے ایک رحمت کا درجہ رکھتا ہے۔ اختلاف رائے ہو گا تو اس میں سے اچھی اور مفید باتیں نکلیں گی۔ واضح رہے کہ اختلاف رائے کو دشمنی کبھی نہیں سمجھنی چاہئے۔

ہمارے یہاں قانون سازی۔

Concurrent list, Provincial list, Central list,

میں کنفیوزن تھا جس پر کل سیر حاصل بحث ہوئی جس کا یہاں ذکر کرنا چاہتا ہوں اس میں خاص طور پر یہ بات بتائی گئی کہ

Residuary powers are with Provinces

میاں منظور احمد وٹو سپیکر پنجاب اسمبلی سیمینار کے اختتام پر اظہار تشکر فرما رہے ہیں۔

اور یہ بات بھی کی گئی کہ محض تبدیلی کی خاطر جملہ قوانین کو تبدیل کرنے کے بارے میں سوچنا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ جہاں ضرورت ہو وہاں قانون سازی کرنا' قوانین میں ترامیم کرنا اور نئے قوانین بنانا ضروری ہے اور ایک چیز جس کا مجھے احساس ہے اور جو میں آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ یہ بھی ایک بہت عمدہ پارلیمانی روایت ہے کہ ہاؤس کے اندر کی جانے والی تقریریں' ہاؤس کے اندر ہو جانے والی نوک جھونک اور بعض دفعہ ہاؤس کے اندر تند و تیز جملوں کا جو تبادلہ ہو جاتا ہے اسے مسلمہ روایت کے مطابق جب ایوان سے باہر نکلیں تو اس قسم کی جملہ باتوں کو ہاؤس کے اندر چھوڑ کر نکلنا چاہئے۔

معزز خواتین و حضرات! میں یہاں اپنی بات کو ختم کرنا چاہتا ہوں کہ ہمیں اس بات کا شدت سے احساس ہے کہ ہم اس سیمینار کو زیادہ بہتر طریقے پر منظم نہ کر سکے۔ اگر ہم کوشش کرتے تو اس کو اور زیادہ بہتر طریقے سے منظم کیا جا سکتا تھا۔ اس میں بہت سی خامیاں اور بہت سی کوتاہیاں رہ گئی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ جس طرح پہلے مہربانی فرماتے رہے ہیں ہماری اس حقیر کوشش پر بھی مہربانی فرمائیں گے اور اس میں جو نقائص رہ گئے ہیں ان سے در گزر فرمائیں گے۔ آپ کے تعاون سے جب انشاء اللہ اگلی دفعہ ہم سیمینار کا انعقاد کریں گے تو ہم سے جو کوتاہیاں سرزد ہوئی ہیں ان کا ازالہ کریں گے ایک اور بات یہ ہے کہ ہم اس سیمینار کی پبلسٹی کا مناسب بندوبست نہیں کر سکے اس کمی کو ہمارے جرنلسٹ حضرات دور کر سکتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ لیجسلیٹرز اور جرنلسٹ ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ اگر یہاں کچھ اچھی' مفید اور بامقصد باتیں ہوئی ہیں تو ان کی مناسب تشہیر ہونی چاہئے اور اگر ہمارے لیجسلیٹرز نے کوئی اچھی بات کی ہے یا کوئی اچھے سوال ہوئے ہیں یا کوئی اچھی تقاریر ہوئی ہیں تو وہ ملک اور ہمارے صوبے کے عوام تک اور مختلف مکتبہ ہائے فکر کے لوگوں تک پہنچ سکیں۔

معزز خواتین و حضرات! یہاں جو باتیں استحقاق اور ہاؤس کے وقار کے بارے میں کی گئی ہیں وہ آپ نے سن لی ہیں۔ حاجی سیف اللہ خان صاحب نے بڑا بصیرت افروز خطاب فرمایا ہے اور جناب چودھری محمد انور بھنڈر نے بڑا مدلل ایڈریس آپ کے سامنے پیش کیا ہے۔ ایک اور چیز جس پر مسلسل زور دیا گیا ہے وہ ہے کال اٹینشن نوٹس۔ اس کے بارے میں یہاں میں بات کرنا چاہتا ہوں۔ تحریک التوائے کار کے بارے میں اب کوئی ابہام نہیں ہے کہ یہ گورنمنٹ کے لئے Censure ہوتی ہے۔ اس کا متبادل کال اٹینشن نوٹس دوسرے ملکوں میں رائج ہے۔ ہاؤس آف کامنز میں بھی ہے اور میرے خیال میں انڈیا میں بھی ہے کہ اگر کوئی اہم بات ہے تو کسی وقت بھی کی جا سکتی ہے اور وہ گورنمنٹ کے لئے Censure کا درجہ بھی نہیں رکھتی۔ اس میں حکومت کو کوئی اعتراض بھی نہیں ہوتا کہ ہر اہم بات چاہے حزب اقتدار کے لوگ کہیں چاہے حزب اختلاف کے لوگ کریں' کی جا سکتی ہے اور اس کو ہم مزید غور و خوض کے بعد اپنے قواعد میں شامل کر سکتے ہیں۔

معزز خواتین و حضرات! اس کے ساتھ میں دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ حاجی سیف اللہ خان صاحب کا' جناب چودھری محمد انور بھنڈر کا۔ یہاں His excellency ایران کے قونصل جنرل تشریف فرما ہیں۔ وہ کل بھی یہاں ہمارے سیمینار میں موجود رہے ہیں اور آج بھی انہوں نے بڑی شفقت فرمائی ہے کہ وہ یہاں موجود ہیں۔ معزز اراکین صوبائی اسمبلی سرحد سے یہاں تشریف لائے ہیں۔ انہوں نے بے حد شفقت اور مہربانی فرمائی ہے کہ وہ ہمیں ملنے اپنی کہنے اور ہماری باتیں سننے کے لئے یہاں آئے ہیں۔ صوبہ بلوچستان سے بھی ہمارے کچھ دوست تشریف لائے ہیں۔

سب سے آخر میں عزت مآب راجہ امان اللہ خان سپیکر سرحد اسمبلی کا خصوصی طور پر شکریہ ادا کرتا ہوں کہ وہ اتنی مسافت طے کر کے یہاں تشریف لائے۔ میں ان سب کا فرداً فرداً آپ سب کی طرف سے ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ ان کا سفر خیر و عافیت سے گزرے۔ اور وہ اپنے اپنے گھروں کو پنجاب کی طرف سے محبت بھرے جذبات لے کر پہنچیں۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کا حامی و ناصر ہو۔ بہت بہت شکریہ۔ خدا حافظ۔

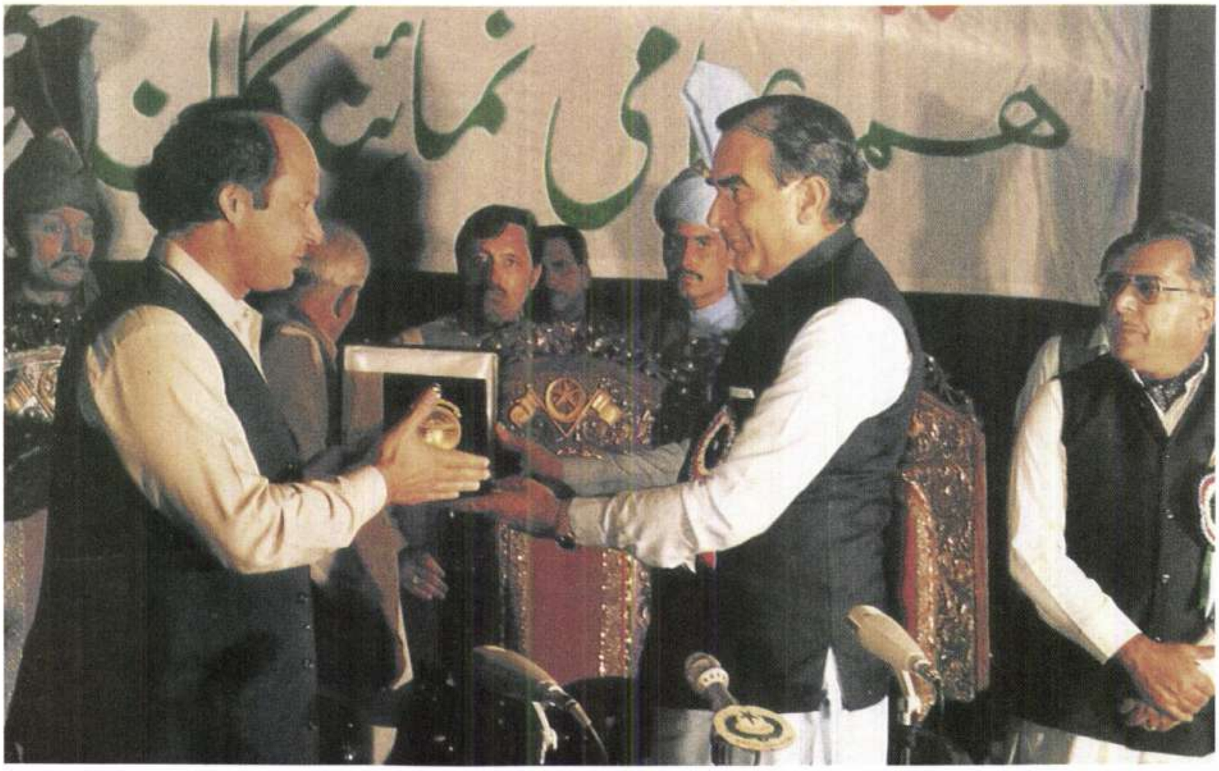

میاں منظور احمد وٹو سپیکر پنجاب اسمبلی جناب محمد نواز شریف وزیر اعلیٰ پنجاب کو اسمبلی کا نشان پیش کر رہے ہیں۔

میاں منظور احمد وٹو سپیکر پنجاب اسمبلی حاجی محمد سیف اللہ خان ممبر قومی اسمبلی کو پنجاب اسمبلی کا نشان پیش کر رہے ہیں۔

میاں منظور احمد وٹو سپیکر پنجاب اسمبلی راجہ امان اللہ خان سپیکر سرحد اسمبلی کو پنجاب اسمبلی کا نشان پیش کر رہے ہیں۔

میاں منظور احمد وٹو سپیکر پنجاب اسمبلی راجہ خلیق اللہ خان صوبائی وزیر قانون و پارلیمانی امور کو پنجاب اسمبلی کا نشان پیش کر رہے ہیں۔

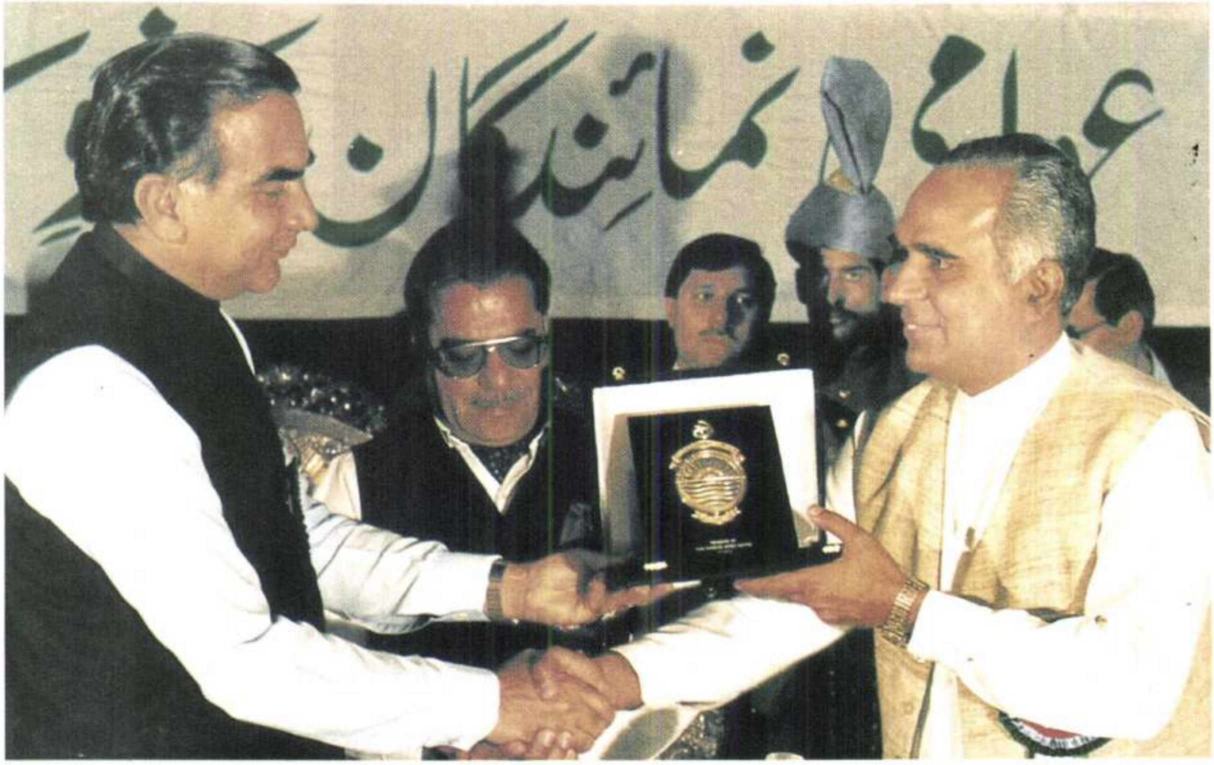

میاں منظور احمد وٹو سپیکر پنجاب اسمبلی میاں محمد افضل حیات قائد حزب اختلاف پنجاب اسمبلی کو پنجاب اسمبلی کا نشان پیش کر رہے ہیں۔

جناب محمد نواز شریف وزیر اعلیٰ پنجاب، ارباب غلام رحیم چیئرمین ضلع کونسل تھرپارکر (سندھ) سے گفتگو کر رہے ہیں۔

جناب محمد نواز شریف وزیر اعلیٰ پنجاب راجہ امان اللہ خان سپیکر سرحد اسمبلی اور میاں منظور احمد وٹو سپیکر پنجاب اسمبلی المرابال سے باہر تشریف لا رہے ہیں۔

میاں محمد افضل حیات قائد حزب اختلاف پنجاب اسمبلی ، راجہ خلیق اللہ خان صوبائی وزیر قانون و پارلیمانی امور ، میاں منظور احمد وٹو سپیکر پنجاب اسمبلی ، وسیم سجاد وفاقی وزیر انصاف و پارلیمانی امور ، سردار وزیر احمد جوگیزئی ڈپٹی سپیکر قومی اسمبلی اور میاں مناظر علی رانجھا ڈپٹی سپیکر پنجاب اسمبلی سٹیج پر تشریف فرما ہیں۔